UNIVERSAL
LIBRARY

ان من الشعر لحکمة و ان من البیان لسحرا

دیوانِ وفق

طبع زاد

غلام محی الدین المخاطب بہ عارف الدین خان وفق

مشتمل بر غزلیات و بعضے قصاید مع دیباچہ و تذکرۂ مصنف

مرتبہ

عبد الباسط مولوی فاضل

مطبوعہ فخر المطابع حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اس زمانہ میں جبکہ شعر و شاعری کا بازار بالکل سرد پڑگیا ہے، اور جدید تمدن اور نئی روشنی نے پرانی شاعری پر پانی پھیر دیا ہے، کسی دیوان کو (اور وہ بھی فارسی کے جو ہندوستان میں مثل مردہ زبان کے ہوگئی ہے) شایع کرنیکے بعد یہ امید رکھنا کہ پبلک کی جانب سے اس کا خیر مقدم کیا جائیگا، اور شاعر کے کلام کی قدر کی جائیگی، اور اس کے شایع کرنے والے کی محنت اور عرق ریزی کی داد دی جائیگی، بالکل فضول ہے اور اگر کوئی ایسا خیال رکھے تو اسکی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست ۔

دور عالمگیری سے فارسی شاعری اس قدر تنزل کرگئی ہے کہ اگر اب اُس کو مردہ سمجھا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اُس عہد سے لیکر آج تک کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ فارسی زبان کے کسی شاعر نے اپنے فن میں کمال پیدا کرنیکے بعد محض شعر و سخن کی بدولت، مال و دولت کے اعتبار سے وہ فتوحات حاصل کئے ہوں جو اُن کے پیشرووں نے کئے تھے ۔

اب تو شعرا کو اسکی بھی توقع نہیں ہے کہ کوئی سچے دل سے انکے کلام کی قدر کریگا، اور انکی دماغ سوزی اور جگر کاوی کی داد دیگا۔ اُس زمانہ کے ایک مشہور شاعر نے ابنائے زمان کی ناقدر دانی اور اپنے کمال سخندانی کی تصویر ذیل کے اشعار میں نہایت عمدہ کھینچی ہے وہ کہتا ہے :۔

لایق مدح در زمانہ چو نیست — خویشتن را ہمی سپاس کنم
بچہ امید در زمانۂ کور — شاہد طبع رو شناس کنم
کس زبان مرا نمی فہمد — بعزیزان چہ التماس کنم

اس مضمون کو رونق اپنے ایک مقطع میں اس طرح ادا کرتے ہیں :۔

شعر را قدرے نباشد اندریں عصر گوں — خویش را رونق بنادانی غزلخوان کردہ

جبکہ خود اہل کمال کو زمانہ سے قدر دانی کی توقع نہیں ہے تو ان کے کلام کے شایع کرنے والے کو کیسے امید ہوسکتی ہے کہ اس کا کام نظر وقعت دیکھا جائیگا اور پبلک کی نگاہوں میں قابل ستایش ٹھہریگا۔

سچ پوچھئے تو ہم نے اس دیوان کو اس غرض سے شایع نہیں کیا کہ اسکے صلہ میں تحسین و آفریں کی صدائیں سنیں اور اپنی جد و کاوش کی داد لیں اس دیوان کی اشاعت سے محض یہ مقصود ہے کہ اسلاف کا کارنامہ زندگی حوادث زمانہ کی دستبرد اور انقلابات عالم کے ہاتھوں گاؤ خورد ہونے سے بچ جائے اور جس فن کے سیکھنے میں انھوں نے عمریں صرف کردیں اور جس فن کو انھوں نے معراج کمال پر پہنچایا وہ ابنائے زمان کی ناقدری اور کم التفاتی کی وجہ سے ضایع نہ ہونے پائے ۔

گو موجودہ زمانہ میں شعر فہمی اور سخن سنجی کی ایسی ہی حالت ہے کہ جواہر ریزہ اور خزف میں کوئی تمیز کرنیوالا نہیں

لیکن ہنوز زمانہ گزشتہ کی بچی کھچی یادگاریں ایسی موجود ہیں جنکو فارسی شعر و سخن کا صحیح مذاق ہے اور وہ کھوٹے کھرے کو اچھی طرح پرکھ سکتی ہیں اس لئے ہم کو کلام رونق کے قدر دانوں کے فقدان پر افسوس بھی نہیں ہے۔

اس دیوان کی اشاعت کو طغیانی رود موسی کی کرامات سے سمجھنا چاہئے۔ اگرچہ مصنف کے خاندان میں ایک عرصہ سے یہ دیوان چلا آتا ہے لیکن اون کے اخلاف میں سے کسی کو اسکی طبع و اشاعت کا خیال پیدا نہیں ہوا جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ اس کو اپنے اسلاف کا ایک ادون واہون کارنامہ سمجھتے ہوں اور اس کو انکے دل و دماغ کا ایک کمترین کرشمہ خیال کرتے ہوں، لیکن طغیانی رود موسی کی زد سے جب یہ نسخہ صحیح و سالم نکل آیا تو میں نے سونچا کہ جس نقطۂ خیال سے ہمارے بزرگوں نے اس دیوان کی اشاعت کی طرف اعتنا نہیں کی گو وہ بجائے خود صحیح ہو لیکن زمانہ کے حوادث و انقلابات سے انکی یادگاروں کو خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی محفوظ رکھنا نہایت ضروری امر ہے۔ اسی بنا پر میں نے اپنے عم مکرم قبلہ گاہی مولوی عبدالقادر صاحب وظیفہ یاب صوبہ دار گلبرگہ اور برادر معظم مولوی عبدالرب صاحب قبلہ کی خدمت میں تحریک کی اس کو طبع کردا دیا جائے میری تحریک پذیرا ہوئی اور میری نگرانی میں دیوان طبع ہونے لگا مگر اثنائے طبع میں کچھ ایسے گوناگوں غیر مترقب تعویقات پریس کی جانب سے پیش آتے رہے کہ اشاعت دیوان میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی اور جس مدت میں اسکو شایع ہوجانا چاہئے تھا اس کے بہت بعد وہ شایع ہوا۔ لیکن اس تعویق و تاخیر کو بھی میں اس مصلحت ایزدی پر محمول کرتا ہوں جس نے طغیانی رود موسی کے ظاہری نقصانات کی تہ میں بہت سے عظیم الشان فوائد اور جلیل القدر سود مند نتایج کو مضمر و مستتر کیا ہے اور جسکا ایک تتمہ طبع و اشاعت دیوان کی شکل میں ہمارے پیش نظر ہے۔ اس تعویق سے یہ فائدہ ہوا کہ اُن کا وہ کلام جو بعد میں دستیاب ہوا تھا اخیر میں منضم کردیا جاسکا۔ جو بصورت دیگر بحالت بیض ہی رہتا اور شاید ہی اسکے طبع کی نوبت آتی۔

دیوان کا اصل نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے لیکن بالکل غیر مردف حالت میں تھا طبع کے وقت تمام غزلیں حروف تہجی کے لحاظ سے از سر نو ترتیب دی گئی ہیں۔ یہ نسخہ والد مرحوم کے کتب خانہ میں موجود تھا باوجودیکہ طغیانی رود موسی میں اس کتب خانہ کی قلمی کتابیں اکثر و بیشتر مکان کے ملبے کے نیچے دبکر خراب و خستہ اور از کار رفتہ ہوگئی تھیں لیکن تعجب ہے کہ اس نسخہ پر کسی قسم کی آنچ نہیں آئی۔ میں اپنے ماموں مولوی عبدالواجد صاحب قبلہ فرزند مولوی عبدالعلی صاحب والد مرحوم کا نہایت ممنون ہوں کہ انھوں نے دیوان کا اصل نسخہ بغرض طبع عنایت فرمایا اور پرانی بیاضوں میں سے رونق کا کلام جس قدر مل سکا نہایت تفحص و تلاش سے فراہم کرکے مرحمت فرمایا۔ آپکو خاندانی تصنیفات کے ساتھ جو اہتمام و اعتنا ہے وہ نہایت قابل تعریف ہے۔ خاندانی کتب کے ساتھ اگر آپ کو شوق و شغف نہ ہوتا تو بہت کم امید تھی کہ دیوان کا نسخہ موجودہ حالت میں ملتا اور بعض خاندانی تصنیفات کا دیکھنا ہم کو نصیب ہوتا۔

بہرکیف شکر ہے کہ دکن کے ایک مشہور و معروف شاعر کا کلام شایع ہوگیا اور صرصر حوادث سے پریشان اور تلف ہونے سے بچ گیا۔ ہم کو قوی امید ہے کہ آیندہ اگر شعرائے دکن کا تذکرہ لکھا جائے تو رونق کے کلام کے متعلق رائے قائم کرنے کیلئے یہ دیوان بطور رہبر کے کام دیگا۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے مصنف کا تذکرہ اور ان کے کلام کے متعلق مختصر سا تبصرہ بھی لکھدیا گیا ہے جس کا مطالعہ غالباً خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

عبدالباسط۔ مولوی فاضل

رونق کے حالات اور کلام پر تبصرہ



خاندانی حال

غلام محی الدین المخاطب بہ عارف الدین خاں المتخلص بہ رونق کی پیدائش ۱۱۹۲ھ میں بمقام مدراس ہوئی اور وہیں انھوں نے ہوش سنبھالا انکے والد حافظ محمد معروف برہان پور کے باشندہ تھے، نواب والاجاہ کے عہد میں وارد مدراس ہوئے تھے۔ انھیں سے نواب ممدوح نے قرآن مجید کی تعلیم پائی اور تجوید سیکھی تھی۔ رونق نے ایک سجع میں اپنے والد اور دادا کیسا تھ اپنا نام اس طرح نظم کیا ہے ع معروف زعارف ست وشد زان عارف۔ انکا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر الصدیق سے ملتا ہے۔ تاریخی کتابوں سے اسکا کوئی پتہ نہیں لگتا کہ اجداد کہاں سے اور کس تقریب سے ہندوستان آئے لیکن خاندانی روایات سے اس قدر ضرور ثابت ہے کہ اس خاندان کے مورث اعلی نے ہندوستان کی طرف جس شہر سے پہلے پہل ہجرت کی تھی وہ موصل تھا۔

ہمارے شہر کے مشہور مورخ مولوی عبد الجبار خانصاحب آصفی فرماتے ہیں کہ "تاریخ مشائخ برہان پور کے مصنف سید ابراہیم سندی نے لکھا ہے کہ شیخ محمد معروف برہانپوری کے بزرگان سلف شادی آباد عرف مانڈو ملک مالوہ سے برہانپور تشریف لائے اور وہیں بود وباش اختیار کی اور شیخ محمد معروف ولد شیخ عارف کی ولادت شہر برہانپور ہی میں ہوئی"۔

تعلیم

گلزار اعظم میں لکھا ہے کہ رونق نے بچپن میں، مولوی محمد اسمعیل اور مولوی حاجی محمد مقیم صاحب سے درسیہ کتابیں قطبی تک نکالیں، اور فارسی کی متداولہ کتابیں غلام محی الدین معجز سے پڑھیں جو اُس زمانہ میں فارسی کے بہت بڑے محقق مانے جاتے تھے۔ لیکن درحقیقت فارسی زبان کی منتہیانہ تعلیم انھوں نے میر باقر آگاہ اور دیگر فضلائے اہل ایران سے حاصل کی تھی جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

مدراس میں شعر شاعری کے چرچے اور رونق کا شعر گوئی کی طرف میلان

یہ وہ زمانہ تھا کہ مدراس شعرائے نازک خیال، اور ہر فن اور ہر علم کے اہل کمال کا مجمع بنا ہوا تھا؛ اخلاط اربعہ کی طرح شاعری بھی ایک ضروری خلط سمجھی جاتی تھی! ستہ ضروریہ کی طرح شعرگوئی بھی ایک ضروری چیز خیال کی جاتی تھی، امیر سے لیکر غریب تک شعر کہتے تھے! یا کم از کم اس کو تفریح طبع کا ایک عمدہ مشغلہ سمجھکر اس میں دلچسپی لیتے تھے! امرا خاص اپنے اہتمام سے مشاعرہ کی مجلسیں منعقد کرواتے تھے! اور بہ شوق ورغبت اس میں شریک ہوتے تھے۔ تذکرہ گلزار اعظم ان شعرا و فضلا کا ایک عمدہ مرقع ہے جس میں ان بزرگونکی جیتی جاگتی، بولتی چالتی، تصویریں دکھائی دیتی ہیں اور اس دور کی یاد تازہ کرتی ہیں جس میں زندہ دلی اور خوش طبعی کے ساتھ فضل وکمال بھی دوش بدوش نظر آتا ہے۔

سوسائٹی کے اس رجحان کو دیکھکر ایک ناموزوں طبع شخص کے دل میں بھی شعرگوئی کا ولولہ پیدا ہوسکے

لہ افسوس ہے کہ یہ کتاب طغیانی رود موسی میں صاحب موصوف کے کتب خانہ سے تلف ہوگئی اسلئے مجھے نقل در نقل کی ضرورت پڑی!

بغیر نہیں رہ سکتا، ایسی حالت میں وہ دل جس میں شاعری کے جذبات موجزن ہوں، اور وہ دماغ جس میں ان جذبات کے ادا کرنے کی قابلیت ہو کس طرح خاموش رہ سکتے تھے۔ رونق نے شاعری سے خداداد مناسبت پائی تھی جس کے باعث میلان طبع نے انھیں فارسی عربی کی درسیہ کتب کی تحصیل کے ساتھ ہی بالکل ابتدائی عمر میں شعر گوئی کی طرف متوجہ کر دیا گو اُس زمانہ میں ریختہ گوئی کا رواج ہو چلا تھا اور اکثر شعرا اُردو میں شعر کہنے لگے تھے۔ اظفری جو عالمگیر کے پوتوں میں ہوتے تھے اور خاص قلعہ کے رہنے والے تھے۔ اُن دنوں مدراس میں مقیم تھے۔ اور ریختہ گوئی میں کمال رکھتے تھے انکی وجہ سے مدراس میں اکثر اصحاب کو ریختہ گوئی کا شوق پیدا ہو گیا تھا نیز باقر[1] آگاہ کے اُردو منظومات نے ریختہ کو بہت کچھ وقیع بنا دیا تھا۔ تاہم اردو کو وہ عروج و اعتبار نہیں حاصل ہوا تھا جو فارسی کو تھا، اُردو میں اگر اگر لوگ شعر کہتے تھے تو اس کو کوئی فن سمجھکر نہیں بلکہ محض تفنن کے طور پر اس لئے رونق نے۔ زمانہ کے عام رواج کے مطابق۔ فارسی زبان میں شعر کہنا شروع کیا، اور عمر بھر فارسی ہی میں شعر کہتے رہے۔ سنا ہے کہ اپنے پوتے حکیم الممالک حکیم عبد الباسط عشق کو اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہوئے دیکھکر فرمایا کرتے تھے۔ باسط کسی ایک زبان میں شعر کہو ورنہ دونوں میں کچے رہ جاؤگے، ایکا یکا ہوا کرتا ہے۔"

رونق ابتدا ابتدا میں میر باقر آگاہ کو اپنا کلام دکھلاتے رہے، لیکن بعد میں فصحائے عجم کے تتبع اور اور ذوق سلیم کی رہنمائی پر بھروسہ رکھا۔ آگاہ کے علاوہ انھوں نے مستند اہل زبان مثلاً مرزا[2] صادق کوکب شیرازی وغیرہم کی صحبت ایک مدت تک اُٹھائی تھی جو اس زمانہ میں مدراس میں مقیم تھے۔ گلزار اعظم میں لکھا ہے کہ اُن کو اہل زبان کے روزمرہ اور محاورات کا بڑا خیال تھا، اور انکی تقلید و تتبع کے نہایت پابند تھے تذکرہ معدن الجواہر میں لکھا ہے کہ شعرائے متاخرین کے تقریباً ایک لاکھ شعر انھوں نے اپنے ہاتھ سے لکھے تھے، نوجوانی میں مطالعہ کا اس قدر شوق تھا کہ وقت کی قید نہ تھی رات دن مطالعہ میں مشغول و منہمک رہتے تھے۔ جس پر خود انکا یہ شعر

[1] دکن کے مشہور عالم اور باکمال شاعر جنکے مطارحات میر غلام علی آزاد کے ساتھ مشہور ہیں۔ دور اخیر میں دکن کی جتنے علما و فضلا و شعرا گزرے ہیں وہ سب آپ ہی کے فیضان کمال سے بہرہ ور اور مستفید ہوئے ہیں باوجود علم و فضل کے زہد و اتقا میں بھی مشہور تھے، اور صاحب باطن سمجھے جاتے تھے۔ مولوی محمد مرتضی صاحب نے نہایت قابلیت کے ساتھ آپکی سوانح اُردو میں لکھکر صحیفہ کے ذریعہ سے شائع کی ہے۔ ولادت ۱۱۵۸ھ میں اور وفات ۱۲۲۰ھ میں ہوئی مشتے نمونہ از خروارے یہاں آپکی صرف ایک رباعی لکھی جاتی ہے ؎ ایران بقیاس ہر سقیم الافکار ٭ رجحاں دارد بھند جنت آثار ٭ نشنید کہ بہ طبق احادیث آدم ٭ در ہند فرود آمدہ در ایران مار ٭

[2] مرزا صادق کوکب شیرازی ایک فاضل شخص تھا، جو تلاش روزگار ۱۲۱۲ھ میں پھرتے پھراتے مدراس پہنچ گیا تھا نواب مدراس نے از راہ قدر دانی ساڑھے تین سو روپیہ مشاہرہ پر خدمت افتا سپرد کی، لیکن قاضی القضاۃ مستعد خاں سے بوجہ تخالف مذہبی چشمک ہو گئی، مرزا نے تنگ آکر نوکری چھوڑ دی اور وطن کو واپس چلا گیا ۱۲۱۹ھ میں اسہال کبدی کے عارضہ سے انتقال کیا۔ نستعلیق اور شفیعا بہت اچھا لکھتا تھا، کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتا تھا۔ رونق کی زبانی اس کا ایک شعر منقول ہے جس سے اسکی اصابت فکر اور فضیلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وھو ہذا۔

شکر است را خط غبار آلود دارد اند کے ٭ خوب حلوائیست اما دود دارد اند کے

شاہد ہے سے زیخ گردش لیل و نہار یافت نجات ؛ چو رونق آنکہ بدل انست از کتاب گرفت
اس کا اثر ابتدا میں تو کچھ محسوس نہیں ہوا لیکن پایان عمر میں، دماغی عوارضات میں مبتلا ہو گئے تھے۔

ملازمت و دیگر حالات

بیس سال کی عمر میں، نواب عمدۃ الامرا کی سرکار میں، ملازم ہوئے، اس عمر میں انھوں نے فارسی زبان میں وہ کمال حاصل کر لیا اور شاعری میں اس قدر مشق بہم پہنچائی تھی، کہ نواب ممدوح نے بکمال قدر دانی، امیر الملک تاج الامرا بہادر نواب محمد علی حسین خاں ماجد ولیعہد کی مصاحبت اور اتالیقی پر مامور فرمایا۔ ماجد مدراس کے امرا اور نواب زادوں میں، نہایت خوش فکر، ذہین اور طباع نوجوان گزرے ہیں؛ اُن کی طبیعت اور ذہن کا آدمی، خاندانِ والا جاہی میں کوئی نہیں ہوا۔ شعر شاعری میں وہ رونق کے ہمطرح تھے۔ ماجد کی استقامت طبع اور سلیقۂ شاعری کے عمدہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اُن کی مصاحبت میں، رونق کا سا سلیم الفکر اور مستقیم الطبع شخص تھا۔

ماجد، رونق کو بوجہ فن شعر میں اُن کی غیر معمولی قابلیت، اور خداداد لیاقت کے بیحد عزیز رکھتے تھے، گھڑی بھر اپنی مصاحبت سے جدا ہونے نہیں دیتے تھے؛ اور ہمیشہ الطاف و عنایات اور خاص التفات فرمایا کرتے تھے۔ رونق کو بھی ان کے ساتھ بے انتہا دلبستگی بلکہ الفت و محبت ہو گئی تھی؛ جب عین عنفوان شباب میں ماجد کا انتقال ہو گیا؛ اور عنانِ ریاست ماجد کے حریفوں کے ہاتھ میں چلی گئی؛ تو رونق کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر، کڑپا، بلہاری، چتور، وغیرہ مضافات مدراس کی طرف چلے گئے۔ اور ایک زمانہ تک وہیں رہے۔

اُن کے فرزند مولوی مہدی واصف لکھتے ہیں کہ ترک وطن کرنے کے بعد وہ اُس صیغہ میں ملازم ہو گئے جو یوروپین افسروں کو فارسی زبان کی تعلیم دینے کیلئے قایم ہوا تھا۔ ان سے تعلیم پائے ہوئے افسروں میں سے ایک سر ٹامس منرو بھی ہیں جو مدراس کے مشہور گورنر گزرے ہیں۔ اس خدمت کے بعد گورنمنٹ کا صیغۂ انشا ان کے سپرد ہوا۔ گورنر مدراس کی جانب سے نوابوں اور امرا کو جو خطوط بھیجے جاتے تھے وہ رونق ہی کے قلم سے نکلتے تھے۔

سفر حیدر آباد

مدت مدید تک باہر رہنے کے بعد وہ دوایک بار مدراس آئے۔ یہاں آکر انھوں نے دیکھا کہ تختہ کا تختہ بدل گیا ہے؛ اور وہ اگلا سا نقشہ ہی نہیں رہا بعض قدیم دوست اب بھی موجود تھے امیر کبیر میر مبارک اللہ خاں راغب صاحب فراق نامہ ونق کے اوائل عہد کے دوست تھے؛ وہ بڑے تپاک سے ملے؛ اور جب تک رونق مدراس میں مقیم رہے خاطر و مدارات کرتے رہے؛ اور قدیم مراسم میں، امتداد زمانہ کی وجہ سے سر مو فرق نہیں آنے دیا۔ تاہم مدراس رونق کیلئے انقلاب سلطنت و رائین سلطنت کے باعث بالکل اجنبی شہر بن گیا؛ اس لئے انھوں نے حیدر آباد کا رخ کیا، اور اپنے بڑے فرزند مولوی غلام زین العابدین صاحب کے پاس چلے گئے، اور عرصہ دراز تک وہیں عزلت گزیں رہے۔ اُس وقت اُن کی عمر ستر سال کی تھی۔

معاودت بمدراس و شرکت مشاعرہ اعظم

اقامت حیدر آباد کے زمانہ میں وہ دو تین بار، دوستوں کی ملاقات کے لئے مدراس گئے اور آئے ۱۲۶۲ھ میں جبکہ اُن کا سن شریف چوہتر سال کا تھا؛

بعض احباب کے اصرار سے وہ پھر ایک بار مدراس گئے۔ یہ زمانہ غلام غوث خاں اعظم کا تھا۔ نواب موصوف شعر شاعری سے خاص دلچسپی رکھتے تھے، اُن کے دربار میں شعرا کی بڑی آؤبھگت ہوتی تھی، نیا نیا شوق تھا، مشاعرہ اعظم کے نام سے ایک مجلس قایم کی تھی جس میں نامی گرامی کہنہ مشق شعرا کی باریابی ہوتی تھی، نومشقوں کو اس محفل میں جگہ نہیں دی جاتی تھی۔ رونق اس دفعہ جب مدراس گئے تو افضل الشعرا شیریں سخن خاں راقم میر مشاعرہ نے، انکی تقریب کی اور وہ مشاعرہ اعظم میں داخل ہوگئے اور ان کی تنخواہ بھی مقرر ہوگئی۔ تذکرہ گلزار اعظم کی تصنیف کے وقت جس کو نواب موصوف کے نام سے، راقم نے تالیف کیا ہے، رونق سے بہت مدد لی گئی ہے۔ کئی شعرا کے حالات رونق کی زبانی منقول ہیں۔ اُن کے مدراس بلائے جانیکی ایک بڑی وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ تذکرہ کے لکھنے میں اُن سے مدد لی جائے، کیونکہ معمر ہونے کے باعث، بہت سے حالات ان کو چشم دید معلوم تھے

وفات اس زمانہ میں رونق نے، پیرانہ سری اور دماغی عوارضات کی وجہ سے شعر شاعری یکلخت ترک کردی تھی، اور دنیاوی تعلقات بھی منقطع ہوگئے تھے، ہمیشہ گوشہ نشیں اور یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ اسی حال میں، چند سال گزرنے کے بعد مدراس میں، انتقال فرمایا۔ سن وفات ٹھیک معلوم نہیں ہوسکا.

شکل و شمائل نہایت سرخ و سپید، وجیہ، متوسط القامت اور بھاری بھرکم تھے۔ عمامہ باندھتے اور قبا پہنتے تھے، شطرنج کے نہایت دلدادہ تھے، جب کبھی کھیلنے بیٹھ جاتے تو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا شوق میری اولاد میں بھی منتقل ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خط شفیعا شکستہ آمیز تھا۔ طبیعت حق گو اور آزادی پسند واقع ہوئی تھی جیسا کہ اپنے ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں

حرف حق گویم و اندیشہ ندارم از کس — دار منصور خلافت بسر دار مرا

مال و دولت اور جاہ دنیوی کو ہمیشہ ہیچ سمجھا اور کبھی اس کے حاصل کرنے کیلئے خودداری اور حریت کو ہاتھ سے نہیں دیا۔

اولاد اکی لڑکیاں اور چار لڑکے یادگار چھوڑے۔ لڑکوں میں خلف اکبر نواب غلام زین العابدین خان مرحوم ریاست حیدرآباد میں مناصب جلیلہ پر فائز رہے اور جاہ دنیوی کے اعتبار سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ جنکی باقیات الصالحات کے منجملہ ان ایک پوتے مولوی محی الدین علیخان صاحب بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لا اس وقت ضلع پربھنی کے اول تعلقدار ہیں.

دوسرے فرزند مولوی مہدی واصف جو تبحر علمی اور کثرت تصانیف اور السنۂ مختلفہ کے زباندان ہونے کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہیں، ان ہی کے احفاد میں احقر کے والد ملا عبد القیوم صاحب مرحوم ہوئے ہیں جنکی ملکی اور اسلامی خدمات سے ہندوستان کی پبلک اچھی طرح واقف ہے۔ اب واصف کی زندہ یادگاروں میں جو خاص خصوصیات سے ممتاز ہیں۔ ایک میرے حقیقی تایا مولوی عبد الحی صاحب وصف وظیفہ یاب دوم تعلقدار ہیں جو فارسی شاعری میں اس خاندان کی بہترین نشانی ہیں اور فن تاریخ گوئی میں اپنی آپ نظیر ہیں، دوسرے میرے چچا مولوی عبد القادر صاحب سابق صوبہ دار گلبرگہ

ہیں جنکو خدا نے خاص پولٹیکل دماغ عطا کیا ہے اور جنھوں نے محض اپنی قابلیت سے ابتدائی مدارج طے کرتے ہوئے اعلیٰ ترین خدمات تک عروج حاصل کیا۔ خدا ان بزرگواروں کو سلامت باکرامت رکھے۔

تیسرے فرزند مولوی حمید الدین صاحب مرحوم جو خوش نویس تھے ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ چوتھے حافظ رشید الدین صاحب یہ بھی لاولد فوت ہوئے۔

اصناف کلام میں مہارت اور مختلف تذکروں کی رائے انکی شاعری کی نسبت

رونق کے حالات زندگی میں، سوائے فارسی شاعری کے کوئی مہتم بالشان کارنامہ نہیں ملتا، سوائے ایک دیوان کے، انھوں نے تصنیف و تالیف کے اعتبار سے بھی کوئی یادگار نہیں چھوڑی۔ مولوی عبدالجبار خان صاحب آصفی فرماتے تھے کہ عجب العجاب مؤلفۂ تمنا اورنگ آبادی میں لکھا ہے کہ رونق نے ایک مختصر تذکرۃ الشعرا بھی تصنیف کیا تھا۔ پہلے زمانہ میں رواج تھا کہ ہر ایک پختہ مشق شاعر دیوان کی ترتیب کے ساتھ ہی ایک تذکرہ بھی مرتب کیا کرتا تھا جس میں شعرائے متقدمین کا کلام، اور معاصرین کے حالات اور ان کے اشعار اپنی پسند اور مذاق کے بموجب انتخاب کئے جاتے تھے۔ ممکن ہے کہ رونق نے بھی کوئی تذکرہ لکھا ہو، مگر اسکا تذکرہ اور تذکروں میں نہیں پایا گیا اور نہ عجب العجاب میری نظر سے گذری۔ قاسم بیگ اور سرفراز حسین خاں فارسی دو بھائی تھے جن سے رونق کو دلی محبت تھی۔ یہ دونوں دریا میں ڈوب کر فوت ہوئے تھے۔ رونق نے اول الذکر کے مرثیہ میں سیلاب غم اور ثانی الذکر کے مرثیہ میں گرداب غم نامی دو مثنویاں لکھی تھیں۔ اب یہ مثنویاں تو درکنار ان کے اشعار بھی کہیں دیکھنے میں نہیں آتے۔ ان کی نسبت معدن الجواہر میں یہ ریمارک ہے: "بہ فیض طبع روان خیلے پرسوز گفتہ"۔

رونق کو انواع سخن میں، دستگاہ کامل حاصل تھی، ہر صنف کو استادانہ کہتے تھے، افسوس ہے کہ ان کے قصاید دست برد زمانہ سے زیادہ دستیاب نہیں ہوسکے مگر غالباً ان کے قصاید کا ذخیرہ غزلیات سے کچھ کم نہ ہوگا مولوی نجم الدین حسن صاحب افضل مرحوم اپنے والد شیریں سخن خاں راقم سے نقل فرماتے تھے کہ رونق نے اکثر جلسوں میں زور و شور کے قصیدے ارتجالاً کہے تھے۔ اس قول کی تصدیق گلزار اعظم سے بھی ہوتی ہے چنانچہ اس میں لکھا ہے "بارہا در محافل کثیرہ شعر بدیہی میگفت و گوہر سخن بشقب قلم شتابی قلم می سفت"۔

گلزار اعظم میں ان کے کلام کی نسبت لکھا ہے: "در انواع سخن قدرت تامہ می داشت و ہر یکے را بکمال خوبی می نگاشت" معدن الجواہر میں مولوی مہدی واصف لکھتے ہیں: "رونق قصیدہ و غزل و مثنوی پاکیزہ می گوید و بر فصاحت و خوبی بیان خود نازشہا داشت، حقیر ہم نہ از روے فرزندی بلکہ از روے انصاف بر ایں امر شاہد عادلم"، بینش لکھتے ہیں: "شعرش سادہ و پرکار و او نزد اہل انصاف بملک الشعرائی سزاوار"۔

ملک الشعرائی کا خطاب

میں نے اپنے والد ملا عبدالقیوم صاحب مرحوم اور نیز دوسرے بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ رونق کو، نواب کی طرف سے، ملک الشعرائی کا خطاب بھی ملا تھا، اور وہ شہرت عام تسلیم کئے جاتے تھے، لیکن تذکرہ گلزار اعظم اور صبح وطن میں اس کو

ذکر نہیں ہے۔ البتہ تذکرۂ بینش میں اُن کی شاعری کی نسبت جو ریمارک کیا گیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عموماً اپنے منصف مزاج ہمعصروں کے نزدیک خطاب ملک الشعرائی کے سزاوار و اہل سمجھے جاتے تھے۔ ممکن ہے کہ نواب عمدۃ الامرا کی سرکار سے انہیں ملک الشعرائی کا خطاب ملا ہو، چونکہ بہت جلد نواب ممدوح کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور اُن کے فرزند ارجمند ماجد بھی عین عالم جوانی میں انتقال کرگئے اور رونق بھی دربار سے علیحدگی اختیار کرکے مضافات مدراس میں چلے گئے۔ اور بعد میں جو لوگ تخت کے وارث ہوئے وہ ماجد کے خاندان سے چشمک رکھتے تھے؛ اور ان کے وابستگوں اور ہواخواہوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے؛ اس لئے یہ امر بالکل قرین قیاس ہے کہ رونق کا یہ خطاب بعد میں تسلیم نہ کیا گیا ہو۔ چونکہ رونق کی شاعری اور ان کے فرزند مولوی مہدی واصف کا ذوق سخن عموماً شعرائے مدراس کے برخلاف تھا اور نواب غلام غوث خاں اعظم اور ان کے استادوں کے کلام پر واصف نے نہایت دلیری اور بیباکی سے نکتہ چینیاں کی تھیں؛ بنابریں اگر مصنف صبح وطن و گلزار اعظم نے رونق کے خطاب کو تسلیم اور اس کا ذکر اپنے تذکرہ میں نہ کیا ہو تو کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔

کلام پر تبصرہ

حالات مذکورۃ الصدر سے، واضح ہے کہ رونق کو مثل اُن کے فرزند مولوی مہدی واصف کے، تالیف و تصنیف کا شوق نہیں تھا؛ اور غالباً انکی عربی استعداد بھی معمولی تھی۔ لیکن فارسی زبان اور فارسی شاعری میں وہ اپنے زمانہ کے محقق اور شہر استاد تسلیم کئے جاتے تھے، ایک زمانہ تک انھوں نے اہل زبان کی صحبت اٹھائی تھی؛ اور محاورات فارسی کی تحقیق میں، ان کے تبحر اور کمال فضیلت کی شہادت، مدراس کے اکثر تذکرے دیتے ہیں۔ اُن کے کلام سے خود اس امر کا پتہ لگتا ہے کہ فارسی لٹریچر میں انکی معلومات نہایت وسیع تھی، اور اہل زبان کے روزمرہ اور محاورہ پر اُن کو پورا عبور تھا؛ چنانچہ غزلیات میں، جابجا، انھوں نے اپنے کلام کی پختگی، اور مضمون آفرینی کے ساتھ، سلاست اور روانی اور بیساختگی پر فخر کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں ؎ بہ پختگی کلامت نمی رسد فکرے؛ معاصران تو رونق خیال خام کنند؛ ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎ مدہ تشبیہ شعر کسے نسبتے مرا رونق؛ کلام من زندائی سروتش چی دید اس میں شک نہیں کہ ایک ایسے زمانہ میں، جبکہ فارسی شاعری، سوائے لفاظی اور خیال بندی کے کچھ نہیں رہی تھی؛ اور دور از کار استعارات، نامانوس تراکیب، مغلق دیریاز تعقید اسالیب، گویا زینت سمجھا جاتا تھا، اور ناصر علی اور بیدل کی تقلید کو، سرمایۂ افتخار اور معراج کمال خیال کیا جاتا تھا، ایک شخص کا اپنی سوسائٹی کے برخلاف آواز نکالنا، اور ان کے عام رجحان کے خلاف ایک الگ روش اختیار کرنی؛ اور اُس گروہ کی مخالفت کرنی جس میں اُسکو سرخروئی اور بلند نامی، حاصل کرنی تھی، بالکل تعجب انگیز بات ہے، اور اس کی سلامتی طبع کا پتہ دیتی ہے، اور اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ فطرت نے اس کا سلیقہ درست اور صحیح بنایا تھا اور اُسکی طبیعت کا سانچہ استقامت و راستی پر ڈھالا گیا تھا۔

شاعری اور مصوری دونوں، ایک قبیل سے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ مصوری میں کسی شے کی تصویر رنگ و روغن سے کھینچی جاتی ہے اور شاعری میں، الفاظ کے ذریعے سے جس طرح ہزاروں لوگ تصویر کھینچتے ہیں لیکن جو چیز تصویر کی جان ہے وہ ان کے قلم میں نابود ہوتی ہے۔ اُسی طرح بہتیرے لوگ شعر کہتے ہیں مگر شعر کی روح رواں ان کے کلام میں مفقود ہوتی ہے۔ فارسی شاعری کے اخیر دور میں یا تو شاعری کی حقیقت کو نہ سمجھکر یا اس وجہ سے کہ متقدمین تمام نیچرل اسالیب برت چکے تھے اور اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے کوئی ایسا اسلوب باقی نہیں رکھا تھا جس سے کوئی کیفیت اور حالت نیچرل طور سے نئے اسلوب اور نئے پیرایہ میں، ظاہر کی جا سکے۔ متاخرین نے ایک ایسا طرز اختیار کیا جو اگرچہ بظاہر جدت نما تھا، لیکن اصول شاعری کے بالکل برخلاف بلکہ اسکے ارکان کو منہدم کر ڈالا تھا۔ بیدل اور ناصر علی اس طرز کے تکمیل کرنے اور ترقی دینے والے سمجھے جاتے ہیں یہ طرز ہندوستان میں بوجہ اپنی جدت کے عموماً مقبول ہو گیا۔ علی العموم تمام شعرائے ہند (الا ماشاء اللہ) جنکو مبدء فیاض سے ذوق سلیم عطا ہوا تھا، اسی ڈگر پر چلنے لگے۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ جب کوئی فن اپنے موضوع پر قایم نہیں رہتا تو اسکی ترقی رک جاتی اور وہ زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ اس طرز کو اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی شاعری کی ترقی رک گئی اور اس روش چلنے والوں نے اس میں کوئی مفید اضافہ تو درکنار، اس کو اپنے مرکز پر بھی قایم رہنے نہیں دیا جس کی وجہ سے شاعری جو فنون لطیفہ میں شمار کی جاتی تھی، ڈھکوسلہ سازی اور تک بندی ہو گئی۔ بیدل اور ناصر علی نے اپنی روش خاص میں جو شعر کہے ہیں۔ وہ بوجہ کثرت تشابیہ اور استعارہ در استعارہ ہونے کے اس قدر گنجلک اور مغلق ہیں کہ نہ اُن کا کوئی معنے معین کیا جا سکتا، اور نہ سننے اور سمجھنے والے کو یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ شعر کے وہی معنے ہیں جو اُس نے سمجھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل زبان بیدل اور ناصر علی کی شاعری کو نہیں مانتے صاحب آتشکدہ آذری ناصر علی کی نسبت لکھتا ہے کہ ان بزرگوار کے کلام میں بوجہ کثرت تشابیہ کے کوئی معنی معین نہیں کیا جا سکتا۔ موم کی ناک ہے کہ جدھر چاہا موڑ دی۔ ایک اردو شاعر نے اس طرز کے شعرا کا اشعار ذیل میں خوب خاکہ اڑایا ہے ؎

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے یا زبان میرزا سمجھے
مگر انکا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

قرب عہد کی وجہ سے مدراس کے اکثر شعرا نے بیدل اور ناصر علی کا رنگ اختیار کر رکھا تھا سوائے معدودے چند اہل سخن کے عموماً تمام کے خیالات میں وہی بیدلیت، طرز بیان میں وہی اغلاق اور اسالیب کلام میں وہی گنجلک نظر آتی ہے جو خیال بندوں کا خاصہ ہے۔

لیکن رونق نے اپنے ہمعصروں کی طرح یہ روش اختیار نہیں کی۔ جس کا محرک یا تو محض انکا ذوق سلیم تھا۔ جو قدما کے کلام کو مطالعہ کرنے سے انکی طبیعت میں راسخ ہو گیا تھا۔ یا اُن فضلائے ایران کے فیض صحبت کا نتیجہ تھا جو حسن اتفاق سے ان دنوں، مدراس میں، اقامت گزیں تھے رونق ہی کی تربیت و تعلیم کا اثر تھا کہ مہدی و اصف بھی اس رنگ میں شعر کہنے سے بچتے تھے اور اس طرز کو نام دھرتے تھے۔ باپ ہی کے خیالات کا پرتو تھا کہ بیٹے نے اپنے تذکرہ میں جابجا ناصر علی کے کلام پر نہایت آزادی سے نکتہ چینی و خردہ گیری کی ہے، اور معاصرین کو روزمرہ اور محاورہ کی پابندی، اور بجائے بیدل و ناصر علی کے اہل زبان

کے تتبع کا مشورہ دیا ہے اسی بنا پر اُن میں اور اُن کے معاصرین میں نوک جھوک ہوتی رہی اور بایراد و اعتراض کا معرکہ گرم رہا جسکی تفصیل **گلزار اعظم** سے واضح ہوگی۔

دیوان رونق میں ایک غزل ہے جس میں **رونق** نے خیال بندوں کے طرز کی مذمت کی ہے بمناسبت مقام ہم اس غزل کو تمامہ درج ذیل کرتے ہیں جس سے ناظرین طرز سخنگوئی کے متعلق ان کے خیالات کا بخوبی اندازہ کرسکیں گے :

صاف بندی ست خوبی اشعار — خاک بر فرق وقت گفتار
دیدنِ صاف و دُردِ می این رمز — میکند بر دقیق گو اظہار
لیک آن را لطافتے باید — ورنہ زاں گفتگوست لازم عار
کن نگہ اے دقیقہ بند سخن — در کلام زلالی خوانسار
فہم مضمون اوست بس مشکل — گشت تشخیص معنیش دشوار
وقت شعر بودہ مرغوبم — کرد ماجد مرا ازیں بیزار
مختلف شد مزاجہا **رونق** — چہ ضرورست ایں قدر انکار

اس غزل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ابتدا میں یہ بھی دقت و اشکال کو پسند کرتے تھے اور **ناصر علی** اور **بیدل** کے ہمنوا و ہمصفیر تھے، لیکن **محمد علی حسین خاں ماجد** کی طرز شاعری اور ذوق سخنگوئی نے، اُنکو اس روش کے چھوڑنے پر مجبور کیا، مگر اس سے یہ خیال نہیں کیا جاسکتا، کہ **ماجد** کا رتبہ شاعری میں **رونق** سے بڑھا ہوا تھا، یا انھوں نے **رونق** سے فن شعر میں کوئی استفادہ نہیں کیا۔ گو تمام تذکروں میں **ماجد میر باقر آگاہ** کے شاگرد بتائے جاتے ہیں، لیکن یہ بخوبی ثابت ہے کہ **آگاہ** نے جب ناراض ہوکر **ماجد** کی اصلاح موقوف کردی تھی تو وہ **رونق** ہی سے مشورہ لیا کرتے تھے اور ان ہی کو اپنا کلام بتاتے تھے۔ چنانچہ **گلزار اعظم** میں لکھا ہے: "و فکر سخن ہم بر طرز ایشان (یعنی متاخرین)، بمطرحی **عارف الدین خاں رونق** اختیار نمود" **معدن الجواہر** میں لکھا ہے: "وبتا ریقی و ہمنشینی افصح الفصحا، امام الشعرا نواب **تاج الامرا بہادر** مرحوم مامور گشتہ بسبب کمالے کہ درین فن داشت مقبول خاطر دریا مقاطر نواب ممدوح گردید وبا و علی الدوام ہنگامہ صحبت و مجلس مشاعرہ گرم میداشت" **واصف** اسی تذکرہ میں **ماجد** کی شاعری کے اسباب ترقی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "صحبت پدر بزرگوار اعنی **عارف الدین خان رونق** کہ سراج منیر بزم سخنوری ست دریافت در کمتر فرصتے ترقی نمایاں کرد" اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ استاد اپنے لائق شاگردوں کے مشورہ سے مستفید ہوتا ہے اور اسکے ساتھ مساوات کا برتاؤ رکھتا ہے۔ اس سے اسکی استادی اور کمال پر حرف نہیں آسکتا بلکہ اسکی منصف مزاجی اور تواضع و انکسار کا ثبوت ملتا ہے۔ مشہور ہے کہ نواب **مصطفٰے خاں شیفتہ**، **غالب** مرحوم سے اصلاح لیا کرتے تھے اور **مومن خان** کے بعد ان ہی کو اپنا کلام بتاتے تھے، لیکن **غالب** انکی شان میں فرماتے ہیں ؎

غالب بفنِ گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او — نہ نوشت در دیوان غزل تا مصطفٰی خاں خوش نکرد

مرزا غالب کے بعض قصاید میں شیفتہ نے الفاظ بدل دئے تھے، چونکہ اصلاح صحیح تھی اس لئے مرزا کی سلامتیِ طبع نے اسکو تسلیم کر لیا یہی حال رونق اور ماجد کا سمجھنا چاہئے۔

اُن کے دیوان میں ایک اور غزل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نری صاف گوئی کو کافی خیال نہیں کرتے بلکہ کلام کی عمدگی اور برتری کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ بے تکلفی اور برجستگی کے ساتھ شعر میں کچھ نہ کچھ بات بھی پیدا کی جائے۔ درحقیقت جس شعر میں صفائی بیان کے ساتھ لطف مضمون بھی نہ ہو اس کو شعر نہیں سحر کہنا چاہئے۔ حسن معنی اور خوبی ادا کے علاوہ الفاظ کی روانی اور سلاست بھی اگر جمع ہو جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ شعر میں جان پڑ جاتی ہے؛ اور درحقیقت ایسے ہی کلام پر شعر کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے؛ اور ایسے ہی کلام کی نسبت کہا گیا ہے ان من البیان لسحرا۔ ایسا شعر جس سے سوائے دندانِ تو جملہ در دہانند کے اور کچھ مفہوم نہ ہو کلام منظوم سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتا۔ غزل مذکور کے چند شعر مناسبت مقام لکھے جاتے ہیں:

بے تکلف گر بود در شعر سامانِ تلاش | پیش ارباب سخن باشد ہماں جان تلاش
بر فصاحت ہائے شعر ماست ایمان تلاش | معنیٔ برجستہ ما بے سخن جان تلاش
بسکہ دارم جستجوئے معنی رنگیں بدل | از بہار فکر تم عرم گلستانِ تلاش
جیب و داماں نگہ لبریز گوہر میکند | کلک گوہر بار من گردید غیماں تلاش
بسکہ در شعرم بود رونق لطافت بیشمار | کردہ ہر بیتم نہاں در خویش دیوان تلاش

موجودہ دیوان عالم جوانی کا کلام ہے

والد مرحوم[1] کی زبانی منقول ہے کہ یہ دیوان ان کے ابتدائی زمانہ کا کلام ہے۔ پایانِ عمر کا کلام یا تو جمع نہیں ہوا یا تلف ہو گیا، یہ روایت ایک حد تک صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ تذکرہ صبح وطن سے جس قدر غزلیں نقل کی گئی ہیں، ان میں سے کوئی بھی دیوان میں موجود نہ تھی اور گلزار اعظم اور معدن الجواہر میں بہت سے ایسے شعر نظر آئے جو اصل نسخہ میں درج نہ تھے۔ تذکرہ صبح وطن کی منقولہ غزلوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ انکے پایانِ عمر کے کلام میں ایک خاص پختگی اور روانی اور صفائی ہے جو موجودہ دیوان میں کم نظر آتی ہے۔ ان تمام غزلوں میں اکثر و بیشتر اخلاق و تصوف اور وعظ و نصیحت کے مضامین باندھے گئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عہد پیری کا کلام ہے جبکہ دنیاوی تعلقات منقطع ہو گئے تھے اور گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کی وجہ سے مضامین کی تراوش کی ایک خاص انداز میں ہوتی تھی اور کہنہ مشقی کے سبب سے کلام نہایت صاف اور ہموار ہو گیا تھا۔ ان کے قصیدہ کے ایک شعر سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے کہ انکا بہت سا کلام ضائع ہو گیا اور اسکو جمع کرنے کی نوبت نہیں آئی چنانچہ لکھتے ہیں ؎

بفن نظم نمودہ ست گرچہ عمرے صرف | ز دست جور فلک جملہ محو و منسی شد

---

[1] مولوی عبدالعلی صاحب والد فرزند مولوی مہدی واصف جو اس زمانہ میں فارسی زبان کے بہت بڑے محقق و باکمال شاعر گزرے۔ آپ کا کلیات نظم و نثر چھپکر شائع ہو چکا ہے۔

کلام کی خصوصیات

ان کے کلام کی مہتم بالشان خصوصیت بتفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے، اس لئے یہاں اس پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ آیندہ جن خصوصیات پر بحث کی جائیگی اور مثلاً جس قدر اشعار پیش کئے جائینگے وہاں ضمناً صفائی اور سلاست بیان کے لحاظ سے بھی نظر ڈالنی چاہئے کہ وہ ان کے کلام سے اُسی طرح جدا نہیں ہو سکتی جیسا کہ ناخن گوشت سے۔

اس دیوان میں جسقدر غزلیں ہیں وہ باکثر مشاعروں کی طرحی غزلیں ہیں۔ شاعر ہو یا مصنف از خود کسی عنوان پر جس عمدگی اور خوبی سے لکھے گا وہ فرمائش پر نہیں لکھ سکتا۔ اپنی خواہش اور ارادے سے وہ جو کچھ لکھتا ہے اس میں جوش اور مضامین کی آمد اسکی مدد کرتی ہے۔ لوگوں کی فرمایشات کی تعمیل میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اس میں آورد اور بناوٹ اور تکلف اور تصنع سے کام لیا جاتا ہے اور جس طرح بن پڑے کام کو ٹالا جاتا ہے اس لئے اکثر دیکھا گیا ہے کہ مشاعروں کی غزلوں میں وہ بات نہیں رہتی جو شاعر کی اپنی طبیعت سے لکھی ہوئی غزلوں میں ہوتی ہے۔ بسا اوقات اسکو سننے والوں کے خوش کرنے اور اُنکی واہ واہ سننے کے لئے اپنے جادہ سے ہٹ کر چلنا پڑتا ہے۔ لہٰذا کسی مصنف یا شاعر کے کلام کا اصلی زور، اُسکی طبیعت کا انداز، اسکے قلم کی جولانی دیکھنی ہو تو اور جنکی تصانیف میں۔ ایسے میدان میں دیکھنی چاہئے جہاں اُس کا اشہب قلم بالکل مطلق العنان ہو، اور اسکی طبیعت کسی فرمائش کرنے والے کی قیود اور کسی ستایش کرنے والے کی ستایش کی پابند نہ ہو۔ یہ بات دیوانِ رونق میں مشکل سے نظر آئیگی۔ کیونکہ اس میں اکثر وہی غزلیں ہیں جو مشاعروں کے لئے لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ایک اور خرابی یہ ہے کہ اُنکی زمینیں ایسی مشکل ایسی سنگلاخ اور دشوار گزار ہیں انکو طے کرتے ہوئے اچھے سے اچھے پختہ مشق اور کہن سال شاعروں کا قدم بھی ڈگمگائے بغیر نہیں رہ سکتا اور ان میں کوئی چبھتا ہوا شعر نکالنا اور کسی دلکش و دلنشین مضمون کا نظم کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ ہتیلی پر سرسوں جمانا یا پتھر میں سے درخت اُگانا۔ ایسی زمینوں میں ایک بڑے سے بڑے استاد کا کمال یہ ہے کہ قافیہ اچھی طرح بندھ جائے اور مضمون ردیف کے ساتھ نبھ جائے۔ ایسے شعر جنکی بنسبت صاحب آتشکدہ آذری بدل نشتر زند کہتا ہے اس قسم کی طرحوں میں نکالنا نہ صرف دشوار بلکہ قریب بمحال ہے۔

رونق کی وہ غزلیں جو سہل اور آسان زمینوں میں لکھی گئی۔ غزلیت کے لحاظ سے بہ نسبت اُن غزلوں کے جو سنگلاخ زمینوں میں لکھی گئی ہیں زیادہ بلند پایہ ہیں۔ ایک رونق پر کیا موقوف ہے وہ تمام شعرا جنھوں نے زمین شاعری کو آسمان پر پہنچا دیا دشوار اور دور از کار قوافی سے ہمیشہ احتراز کرتے رہے اور کبھی اس خار دار جھاڑی میں اپنے دامن فکر کو نہیں الجھایا۔

تشبیہ و استعارہ کا استعمال چونکہ رونق نے اپنے کلام میں تشبیہ و استعارہ کو نہایت کثرت اور عمدگی کے ساتھ استعمال کیا ہے اور اس کے ذریعہ سے سخت اور دشوار گذار زمینوں میں فرایض شاعری کو، بہت خوبی سے انجام دیا ہے اسلئے ان کے کلام میں، قلت مضامین کی شکایت نہیں کی جا سکتی۔ شاعر کا بہت بڑا ہتھیار جس سے وہ اقلیم شاعری فتح کر سکتا ہے تشبیہ و استعارہ ہے؛ اسکی قوت تخیل اور پرواز فکر کا ثبوت

جس قدر تشبیہات کے استعمال سے مل سکتا ہے ویسا کسی اور چیز سے نہیں مل سکتا، جذبات اور حالات کی تصویر کھینچنے میں جس قدر یہ اوزار کام دیسکتا ویسا کوئی اور شی نہیں دے سکتی۔ دیوان رونق میں اسکی کثرت سے نظیریں ملیں گی۔ جن قوافی میں خیال ہوتا ہے کہ ردیف کے ساتھ ان کا نباہ نہیں ہوسکتا۔ وہ اُن کو ایک پیش پا افتادہ تشبیہ سے ایسا دلکش و دلآویز بنا دیتے ہیں کہ شعر میں جان پڑ جاتی ہے۔ دیوان میں ایک غزل ہے "زار زار گریہ کنم بے اختیار گریہ کنم" اس زمین میں ظاہر ہے کہ سوار، شرار، خمار کے قوافی ایسے نہیں ہیں کہ ہر شخص شاعرانہ اسلوب کو مدنظر رکھکر، صفائی سے باندھ سکے مگر رونق نے انکو جس طرح نظم کیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے:

گرہ شود چو تبا شیر اشک در قرہ ام | اگر بھجرت آن نیسوار گریہ کنم
بہ عشق شعلۂ رویش زبسکہ لبریزم | بسان شیشۂ آتش شرار گریہ کنم
زشوق نرگس مخمور ساقی گلفام | برنگ شیشۂ خالی خمار گریہ کنم

ایک اور زمین ہے "خار آتشناک بہار آتشناک"، اس میں بعض شعر لکھے ہیں:-

دریں چمن نبود لالہ زار آتشناک | سپردہ اند دل داغ دار آتشناک
شب فراق تو اسباب عیش آزاریست | بدیدہ شمع بود شل خار آتشناک
بغیر سیل سرشکے کہ دارد آتش آہ | ندیدہ ایم دگر آبشار آتشناک

ان ہی زمینوں پر موقوف نہیں ہے، ان کے دیوان میں، ہر جگہ اس صنف کا استعمال نہایت کثرت کے ساتھ، نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ، اور نہایت صفائی اور خوبی کے ساتھ کیا گیا ہے بعض لطیف و بلیغ تشبیہیں جو عام شعرا کے ہاں کمتر دیکھنے میں آئی ہیں مثالاً درج ذیل کی جاتی ہیں جن سے شاعر کی قوت مدرکہ کی رسائی اور امیاجنلش کی بلند پروازی کا ثبوت ملیگا۔ مثلاً

اے دل زار چوں جرس بفغاں | ہمہ آواز کردہ مارا

جرس گھنٹا۔ اسکا جو کچھ ہے آواز ہے ورنہ محض لوہے کا ٹکڑا جرس نہیں ہوسکتا۔ شاعر کہتا ہے کہ مجھ میں اس دل خانہ خراب کی وجہ سے کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ فریاد و فغاں کی وجہ سے صرف آواز ہی آواز آتی ہے۔ اگر آواز نہیں تو سمجھو کہ کچھ بھی نہیں۔ مثال کیلئے جرس کو دیکھو کہ اسکی کائنات جو کچھ ہے محض آواز ہے ہے ورنہ وہ لاشی محض ہے۔ دل کی طرف خطاب کرنے سے ایک خاص لطف پیدا ہوگیا ہے اور جرس کیساتھ تشبیہ نام حاصل ہوگئی ہے اور یہ بھی مترشح ہے کہ فریاد و فغاں جو کچھ نکلتی ہے دل سے نکلی ہے۔

مرحبا حسن بے نقاب ازل | پردۂ راز کردہ مارا

ایک نہایت وسیع مضمون کو چند مختصر الفاظ میں سمیٹا گیا ہے اور اس خوبی سے کہ نثر میں اس کی تشریح خالی از وقت نہیں۔ عارفانہ شعر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا و ما فیہا ذات باری کے لئے حاجب ذات بھی ہے اور کاشف ذات بھی۔ یہ عالم گویا ایک پردہ ہے کہ اگر اسکو الٹ دیا جائے تو تجلیات الٰہی کا تماشا نظر آنے لگتا ہے اور اگر نہ الٹے تو کچھ نہیں۔ ذات باری درحقیقت مراتب خفا و ظہور سے برتر و بالاتر ہے جو کچھ کشف و حجاب ہے وہ ہمارے اعتبار سے ہے۔ شاعر نے "حسن بے نقاب" اور "پردۂ راز" صرف

دو لفظوں سے بیان میں جو کیفیت پیدا کی ہے وہ تشریح توضیح سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ قریب قریب اسی مضمون کو مرزا غالب نے استفسار و تعجاب کے پیرایہ میں یوں ادا کیا ہے ؎ جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیمروز ۔ آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ میں منہ چھپائے کیوں۔ اسی مضمون کو ایک دوسری غزل میں رونق نے اس طرح نظم کیا ہے ؎ ہرجاست بے نقاب رخ شاہد ازل ۔ از چشم دل حجاب تو بردار اندکے۔

فراہم کردہ حسرتہائے یک خلق ۔ بصحن این چمن گل نام کردند

اس شعر میں مسئلہ تناسخ کی طرف اشارہ ہے۔ خیام وغیرہ نے یہ مضمون پیدا کیا ہے کہ پھول جو زمیں سے اگتا ہے وہ درحقیقت کسی مہ جبیں کی شکل ہے جو انقلاب زمانہ کی وجہ سے اس طرح قالب بدل کر نمودار ہوتی ہے۔ مرزا غالب فرماتے ہیں ؎ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں ۔ خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں۔ لیکن غالبا کسی شاعر نے انسان کی حسرتوں کے مجموعہ کو پھول نہیں قرار دیا، دراصل پھول کی تشبیہ پھول کی تعریف و توصیف اس سے بہتر نہیں ہو سکتی پھر جس صفائی اور خوبی سے یہ مضمون ادا کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے اسکو نوادر افکار میں شمار کرنا مبالغہ نہ ہوگا

شرار آسا دمے فرصت ندارم ۔ کہ آغاز مرا انجام کردند

انسان کی بے ثباتی اور کم فرصتی کے مضمون کو اس سے بڑھکر زوردار الفاظ میں اور کیا بیان کیا جا سکتا ہے شرار کے متعلق شعراء نے سیکڑوں ہزاروں مضمون باندھے ہیں اور بڑی بڑی نزاکتیں پیدا کی ہیں۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے شرار کے آغاز و انجام کے ایک ہونے کا ثبوت کسی شاعر نے نہیں دیا۔ یہ شعر بھی باعتبار ندرت تشبیہ کے نوادر افکار میں سے ہے۔

کریماں را عجب تسخیر دلہاست ۔ خطوط دست احساں دام کردند

ہاتھ کے خطوط کو دام سے تشبیہ دینی اور پھر ہاتھ کو احسان کی طرف مضاف کر کے یہ ثابت کرنا کہ معمولی اور ہر ہاتھ کے خطوط دام نہیں ہو سکتے اور دست و دام کی مناسبت، ان تمام باتوں نے شعر کو اعلیٰ مراتب بلاغت پر پہنچا دیا ہے۔

یک نفس باشد بقالب عاشق و معشوق را ۔ درحقیقت نالۂ بلبلاں جان گل ست

شاعر عاشق و معشوق کے یک نفس و دو قالب ہونے کا ثبوت دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ بلبل کے نالے درحقیقت گل کی جان ہیں کیونکہ پھولوں کا کھلنا اور بلبلوں کا چہچہانا ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں بلبل کے نالے اگر کم ہو گئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ موسم بہار ختم ہو گیا۔ چونکہ آواز روح کی طرح غیر مرئی شئی ہے اور جاندار کی زندگی کی ایک علامت اسلئے نالہ کی تشبیہ روح کے ساتھ نہایت موزوں تشبیہ ہے۔ یہاں نفس کا لفظ جو لطف دے رہا ہے وہ ظاہر ہے۔ یہ غزل کی غزل لطیف و بلیغ تشابیہ سے مرصع ہے۔

ذوق اسیری از عدم آوردہ ایم آہ ۔ از حلقہ ہائے دام بود آشیان ما

در گلشن دنیا طرب عیش غم افزاست ۔ خندیدن گل بر سر دار است ببینید

گل اگر دیدہ بہ لب ہائے تو وا میسازد ۔ برگ را بر لب خود دست حیا میسازد

غبار را نبود ایں قدر رسائی ہا —— نگاہ قیس بدنبال محمل افتادست

گفتگوے واعظ بیہودہ مشنو زینہار —— عالمے را می فریبد از صدا گوسالہ

ربطے چو گوہر ست مرا با گریستن —— ہستی من چو اشک بود تا گریستن

زاہد ملاف بیش کہ چوں گنبد فلک —— عمامہ ترا ست ہمہ عذر در بغل

اس شعر کے قافیہ و ردیف قابل ملاحظہ ہیں۔ اس زمین ایسا شعر نکالنا پختہ مشق شاعر ہی کا کام ہے مکر و عذر میں گنبد فلک کے ساتھ عمامۂ زاہد کی تشبیہ نہایت پر لطف واقع ہوئی ہے۔ ملاف کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ گنبد کی طرح صرف صدا ہی صدا آتی ہے ورنہ حقیقت و واقعیت سے زاہدانِ ریاکار کو کوئی سروکار نہیں۔ بغل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زاہد اپنے مکر و عذر کو عمامہ کی تہ میں چھپائے ہوئے ہے۔

ہمچو آئینۂ تصویر کہ بر دوشش بزند —— شد زبانِ دگراں صورت رفتار مرا

تمثیل تشبیہ و استعارہ کی ایک اور قسم ہے جس کا نام علمائے بلاغت نے تمثیل رکھا ہے۔ متقدمین کے ہاں یہ صنف اگرچہ خال خال نظر آتی ہے، لیکن متاخرین نے اسکو بیحد رواج دیا اور بر اسے ایک علحدہ صنف قرار دی اس صنف کا خاتمہ صائب اور غنی کشمیری پر سمجھا جاتا ہے۔ دور اخیر میں جس قدر شعرا گذرے ہیں انھوں نے کم و بیش اس صنف میں کچھ نہ کچھ ضرور کہا ہے دیوان رونق میں اس صنف کے اشعار کثرت سے نظر آئینگے چند منتخب اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں جس سے اس طرز میں ان کے زور طبیعت کا اندازہ ہو سکے گا۔

با آتشیں نفس نتواں ہمزباں شدن —— گم میکند تجلی خود ماہ در سحر

اکسیر اعظم ست برنگ سپید صبح —— نبکند زشب زیاد شود ماہ در سحر

رنگ و بوئے دگرے میدہد فیض سخا —— شہرہ شد گل بجہاں بخت چو نشست ز خویش

گریہ چوں آید ترا از نالہ ہا پرہیز کن —— میشود ضبط نفس غواص را رہبر در آب

ہر کہ پاس آبرو دارد بدنیا میرد بخلق —— غرق گردیدست ازیں باعث نگر گوہر در آب

بود قطع علائق عشرت افزائے دل سالک —— ہمی گشتن ز مے شد باعث خندیدن مینا

ہست از چارہ گری دوری رحمت مضمر —— منع فیض ست اثر پردہ بارانی را

بینی ہمیشہ رنج ز پروردگان خویش —— دل چاک میشود ز جفای خدنگ تنگ

رنج می باشد نصیب مردم صاحب کمال —— بحتلی ہا وقف پامالی نماید دانہ را

وضع تعلیم از جادہ آموز و سختی عیش داں —— چوں سرش در زیر سنگ آید کند بادام رقص

بادام کا قافیہ اکس زمین میں اس سے بہتر کیا باندھا جا سکتا ہے۔ بادام جادا سلئے ہے کہ سوکھنے کے بعد اس میں قوت نامیہ باقی نہیں رہتی مطلب یہ ہے کہ خوے تسلیم جادے سے سیکھو اور سختی و تکلیف کو عیش و آرام سمجھو جیسا بادام جبکہ اس کا سر پتھر سے کچلا جاتا ہے تو مارے خوشی کے رقص کرنے لگتا ہے (بادام پھوڑنے کے وقت بوجہ سخت اور صاف ہونے کے اڑتا اور تڑپ کر نکل جاتا ہے۔ اس کو شاعر نے رقص مسرت سے تعبیر کیا ہے)

محاورہ گوئی چونکہ ایک مدت تک اہل زبان کی صحبت اٹھا چکے تھے، اور روزمرہ اور محاورات

کی تحقیق و تفحص میں عمر صرف کر چکے تھے۔ اسلئے جا بجا محاورہ کی چاشنی اور خوبی ادا اور لطف زبان کا چٹخارہ کلام کو نہایت بامزہ بنا دیتا ہے اسکی کچھ مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

حرفے از دست خویش کن سے قلمے — نیست جمعیت از زبانہا
یارب آں مار سیہ را چہ قدر باشد زہر — دست از زلف نہ بردیم کہ از کار افتاد

مصرع ثانی میں بالکل واقعہ کی تصویر کھینچ دی ہے۔

چو دید ریزش اشکم بدامن گلشن — سحاب را عرق خجلتش در آب گرفت
نگز رسینہ دلم بردد ز غمزۂ او — کہ طفل اشک بدنبال او شتاب گرفت
گفتمش از شورش مستان دماغم سرود — عشوۂ در کار برد و پنبہ بر مینا گذاشت
زاہد افسردہ را بگرہ تواں بردن ز خویش — آں نگار نازنیں را محفل آرا کردنی ست
دوش سوئے چمنے بیتو گذارم افتاد — خندہ زد گل باد اینکہ شرارم افتاد
کے بآسانی دہم از دست دامان فراق — بعد ازیں دست من و چاک گریبان فراق

یہ طرز بیان ہندی شاعر کے کلام میں کمتر پایا جائیگا۔ اس اسٹائل کو وہی شخص استعمال کرسکتا ہے جس نے اہل زبان کے تتبع و تقلید میں عمر گذاری۔

از پئے کارے اگر بیروں رود از خانہ ہا — میگریزد از درخش برق دوشا دوش خلق ص ۹۵

وقوع گوئی

چونکہ وہ تشبیہات کو کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور صفائی زبان و سادگی بیان کا خاص خیال رکھتے ہیں اسلئے اس کا لازمی نتیجہ ہونا چاہئے تھا کہ انکی طبیعت وقوع گوئی کی طرف زیادہ مائل ہوتی غزل میں کسی مسلسل مضمون کو، بہت کم شعرا نے نظم کیا ہے مگر رونق کی کئی غزلیں ہیں جس میں شروع سے اخیر تک ایک ہی مضمون نظم کیا گیا ہے۔ دیوان میں ایک غزل ہے "آغوش خلق، دوش خلق،" اس تمام غزل میں، باد و باراں کی کثرت اور لوگوں کی پریشانی کا فوٹو اتارا ہے۔

نواب غلام غوث خان اعظم کی تسمیہ خوانی کی تقریب میں جو قصیدہ کہا ہے اس میں شروع سے لیکر اخیر تک حالات جشن کا نقشہ کھینچا ہے، متعلقین کو جوڑوں کا تقسیم ہونا، تباسوں کا بٹنا، رنگبازی کی کیفیت، آتش بازی کا منظر، روشنی کی جگمگاہٹ، دعوتوں کی دھوم دھام، عطر، پان اور پھولوں کی بہتات اور پھر طوائف کے ناچ رنگ کا دلفریب دلربا نظارہ نہایت وضاحت و فصاحت کے ساتھ قصیدہ میں بیان کیا ہے اور کہیں شاعری کے سررشتہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ انکی غزلیات میں بھی ایسے بہت سے شعر نظر آتے ہیں جن میں معاملہ اور واقعہ کو نظم کیا گیا ہے بعض ممتاز اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

شبکہ گردید مہیا چمن شیشہ و جام — انتظارت چہ قدر خون بدل ما می کرد
بہ محفل تو گرم رہ نہ شد ملالے نیست — زدور بینم و باشم بر آستان محفوظ
دیگراں را کام فرداد امروز از کرم — عرض امروز من بیتاب بر فردا گذاشت
بے دماغانہ چو راہش گیرم — گویدم دور کہ کارے دارم

معاملہ کا شعر ہے اور جس اسلوب میں باندھا گیا ہے وہ سوائے اہل زبان یا مشاق و ماہر زباندان کے دوسرا کا حصہ نہیں معشوق جا رہا ہے عاشق بیخود و بیتاب ہو کر اس کا راستہ روکتا ہے وہ جھڑک کر کہتا ہے ہٹ دور ہو مجھے اس وقت کام ہے۔ اس مختصر بحر میں اور اس قافیہ و ردیف میں یہ مضمون اس خوبی سے ادا کیا گیا ہے کہ اسکے کے لئے دوسرا اسلوب خیال میں نہیں آسکتا۔

تغزل

غزل کی بنیاد اس پر پڑی ہے کہ اس میں وہ حالات و واقعات بیان کئے جائیں جو راہ عشق میں عشاق کو پیش آیا کرتے ہیں۔ یہ حالات جس قدر واقعیت پر مبنی ہونگے اسی قدر دلوں پر اثر کرینگے جذبات کا اظہار نہایت مشکل کام ہے، عربی کی مشہور مثل ہے کہ "الکیفیات لاتبان" انسان پر بہت سی کیفیتیں گزرتی ہیں مگر وہ ان کو نہیں بیان کر سکتا، بہت سی جذبات طاری ہوتی ہیں مگر وہ ان کا اظہار نہیں کر سکتا بلکہ ان کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ ان حالات و کیفیات کو وہی شخص بیان کر سکتا ہے جو رموز عشق سے واقف ہو اور اسکے ساتھ ہی اسکی قوت بیانیہ اعلیٰ درجہ کی ہو، اس کا تخیل نہایت بلند پرواز اور اسکی قوت نظریہ نہایت تیز ہو ایسا ہی شاعر سچا غزل گو ہو سکتا ہے اور ایسے ہی شاعر کا کلام دلوں پر اثر کر سکتا ہے۔ سعدی، خسرو، حافظ اور نظیری جو غزل کے استاد مانے گئے ہیں ان کے کلام کے دلوں پر اثر کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے۔ میر، جرات، غالب اور داغ پر اردو کی دنیا لوٹ ہے اسکا اصلی سبب یہی ہے۔ درحقیقت ان لوگوں نے عاشقانہ جذبات و حالات و خیالات کی تصویر جس خوبی سے کھینچی ہے اور راہ محبت میں جو معاملات پیش آتے ہیں انکو جس عمدگی سے بیان کیا ہے اس کے لحاظ سے ان کے کلام کی جس قدر بھی قدر کی جائے کم ہے۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ مذکورہ بالا قابلیت جس شخص میں نہو اسکو غزل نہیں کہنی چاہیے۔ جاری شاعری کے زوال کی وجہ اگر دریافت کی جائے تو غالباً یہی نکلے گی کہ اس میں غیر واقعیت اور تصنع اور بناوٹ کو دخل دیدیا گیا اور ایسی باتیں لکھی جانے لگیں جنکی کوئی اصلیت نہیں تھی، اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ کلام میں اثر نہیں رہا۔ کلام اگرچہ ہر قسم کے محسنات سے مرصع بنا یا گیا اور صنایع لفظی و معنوی میں بیحد ترقی ہوئی مگر شاعری جسد بے روح ہوگئی۔

غرض یہ کہ غزل کی صحیح تعریف یہی ہے کہ وہ عاشقانہ جذبات و حالات کی تصویر ہو لیکن بعد میں اس تعریف میں وسعت دی گئی اور غزل میں اور اور مضامین بھی نظم کئے جانے لگے۔ تاہم تغزل کا اطلاق کسی ایسے شعر پر نہیں کیا جا سکتا جو ترجمان محبت نہو۔

اس میں شک نہیں کہ رونق کے دیوان میں تغزل کم ہے جسکی وجہ جیسا کہ ہم اوپر بتفصیل بیان کر چکے ہیں یہی ہے کہ اکثر و بیشتر غزلیات مشاعروں کی طرحی مصرعوں پر لکھی گئی ہیں جنکی زمین بوجہ سنگلاخ ہونے کے اس قابل نہیں ہے کہ اس میں کوئی عاشقانہ مضمون سرسبز و بارآور ہو سکے۔ لیکن کم و بیش جس قدر اشعار بھی عاشقانہ رنگ کے دیوان رونق میں پائے جاتے ہیں وہ اس امر کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ شاعر کی طبیعت بلحاظ تغزل کے پست واقع نہیں ہوئی ہے۔ بعض شعر بطور تمثیل ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

در فن عشق تعطیل نمی باید زیست ــــــ دلبرے گر نبود دل شکنے در کار ست

اسی مضمون کے قریب قریب مرزا غالب کا یہ شعر ہے سے قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے ؛ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی ؛؛ یار سے چھیڑ چلی جائے اسد ؛ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی۔ اس شعر میں اس طرف

اشارہ ہے کہ جس بات کی چیٹک انسان کے دل میں ہو، اس کے حاصل کرنے کے لئے وہ کبھی نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ نفع ہو یا ضرر اس کے لئے وہ ہاتھ پیر مارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہر وقت اس سے لو لگا رکھتا ہے کبھی بیکار نہیں رہتا۔

الفت صیادی آرد مرا در دام او   بارہا ہر چند از اغماض بند از پا گذاشت

اس شعر میں محبت و الفت کی وہ کیفیت بیان کی گئی ہے جس میں مصیبت و تکلیف آرام و راحت میں بدل جاتی ہے اور محبوب کے جور و جفا میں بھی مزا ملنے لگتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر محبوب ظلم و ستم سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو اچھا نہیں معلوم ہوتا، اور اگر وہ دام عشق سے رہا کرنا چاہتا ہے تو رہا نہیں ہوا جاتا۔ اگرچہ یہ انوکھا مضمون نہیں ہے۔ مختلف شعرا نے اس مضمون کو مختلف پیرایوں سے باندھا ہے۔ چنانچہ مرزا **غالب** فرماتے ہیں:

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ⁏ ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر۔ اور **نظیری** کہتا ہے ؎ نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر ⁏ خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود۔ لیکن **رونق** نے بھی اس مضمون میں کچھ کم داد بلاغت نہیں دی ہے اگرچہ یہ تینوں شعر طرز بیان کے لحاظ سے بہت کچھ اختلاف رکھتے ہیں لیکن انہیں معناً قدر مشترک بھی ہے لہٰذا ان میں موازنہ ہو سکتا ہے۔ تینوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ معشوق کے جور و جفا سے لذت و راحت ملتی ہے لیکن **غالب** نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ معشوق نے مجھ کو آزار سے لطف اٹھاتا ہوا اور اس پر حریص دیکھ کر ستم سے ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ اضافہ نظیری اور رونق کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اگر محض "لذت آزار" کے مضمون کو دیکھا جائے تو **نظیری** اور **رونق** نے اس عنوان کو **غالب** سے بڑھ کر بلیغ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ **رونق** اور **نظیری** کے شعر معناً بہت قریب واقع ہوئے ہیں صرف تخیل اور طرز بیان کا اختلاف ہے۔ **نظیری** کے شعر میں شاعرانہ تخیل کا زور زیادہ ہے یعنی مرغ کے نالہ کرنے سے شاعر یہ استنباط کرتا ہے کہ وہ رہائی کے لئے نالہ نہیں کرتا بلکہ اس زمانہ پر افسوس کر رہا ہے جب کہ وہ گرفتار نہیں تھا۔ اگرچہ نظیری نے ایک عاشقانہ کیفیت کو تمثیل کے پیرایہ میں ظاہر کیا ہے لیکن یہ تمثیل واقعیت کے بہ نسبت زیادہ تر تخیل پر مبنی ہے کیونکہ اس کے نالہ کو زمانہ کے افسوس پر محمول کرنا جبکہ وہ گرفتار نہیں تھا محض شاعرانہ تخیل ہے جس کا کوئی وجود نہیں۔

برخلاف اس کے **رونق** کی تمثیل واقع کے بالکل مطابق ہے۔ جانور کو جب صیاد کے ساتھ الفت ہو جاتی ہے اور وہ ہل جاتا ہے تو باوجود رہا کرنے کے نہیں جاتا۔ اغماض کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ صیاد نے محض آزمائش کے لئے پاؤں کے بند کھول دیے تھے کہ دیکھیں آیا یہ جاتا بھی ہے یا نہیں۔ درحقیقت اس کا دل ہی نہیں چاہتا تھا کہ بالکلیہ رہا کر دے۔ بایں ہمہ **نظیری** کے شعر میں ایک خاص وجدانی کیفیت ہے جس کا ادراک ذوق سلیم پر موقوف ہے لیکن **رونق** کا شعر بھی اپنی طرز میں لاجواب ہے۔ اسی مضمون میں ان کے دو ایک شعر اور بھی ہیں مثلاً صیاد دوش گفت کہ آزاد می کنم ⁏ سر را بپائے او زدہ فریاد می کنم ⁏ لذت دام و گرفتاری دمش گرست جانب دست کشد الفت صیاد مرا۔

اکثر دوست غصہ اور خفگی کی باتیں کرتا ہے مگر درحقیقت اس کی خفگی ایک خفی محبت و التفات کو ظاہر کرتی ہے اور بعض وقت اس کے برعکس وہ بالکل سادگی اور صلح کے ساتھ پیش آتا ہے لیکن درحقیقت اسکی صلح جنگ کو اور اسکی سادگی اس کے عتاب کو آشکار کرتی ہے۔ اس مضمون کو **رونق** نے مختلف طریق سے باندھا ہے

ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

در پس پردۂ قہر تو بود لطف نہاں
می شناسم بنظر خندۂ پنہان ترا

یعنے میں ترے غصہ کو جس کے پردہ میں مہربانی چھپی ہوئی ہے اس طرح پہچانتا ہوں کہ گویا میں تری نگاہوں سے تری پوشیدہ ہنسی خوشی کو دیکھ رہا ہوں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

نگارمن زکہ آموخت دلستانی را
کہ پر عتاب کند خندۂ نہانی را

اس شعر کا مضمون شعر ماسبق کے بالکل برعکس ہے اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ معشوق کی نہاں ہنسی جو عتاب پر مبنی ہو ایک ادائے دلفریب رکھتی ہے۔ اسی مضمون کے چند شعر اور بھی ہیں جو معناً و لفظاً نہایت لطیف ہیں اسلئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

بہ پیش طفل شوخی عرض حالم کردنی دارد ——— کہ برلب خندہ را دشنام سازد ناز پنہانش
مشو دریاس رونق این قدر بیدل زخشم او ——— کہ مضمون تسلی ہاست پنہان در ہزاینش
اگرچہ محو عتاب ست باز چشمانش ——— پیام صلح نمید نگاہ پنہانش
بہ دورش شد مقام از ضعفم ——— دائما باد ناتوانیہا

عشاق اپنے ان نقصانات کو جو کہ موصل الی المطلوب ہوں گو وہ کیسے ہی مضرت رساں کیوں نہ ہوں بڑی خوشی سے برداشت کرتے ہیں اور ان کو اپنے لئے نہایت مفید سمجھتے ہیں۔ اس مضمون کو مرزا داغ نے بھی بڑے بانکپن سے ادا کیا ہے ؎ نظر آتا ہوں نہ اس بزم سے اٹھ سکتا ہوں ؛ ناتوانی سے بڑے کام لئے جاتے ہیں مگر رونق کا شعر زیادہ نیچرل ہے۔ کیونکہ ناتوانی گو کیسی ہی ہو نظر نہ آنے کو لازم نہیں برخلاف اس کے ضعف کی وجہ سے انسان چل نہیں سکتا۔ جہاں ہوتا ہے وہیں بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ داغ کے شعر میں ناتوانی سے وہ ناتوانی مراد ہے جو لاغری کو لازم ہے۔ جیسا کہ ظفر کہتے ہیں ؎ ناتوانی نے بچا لی جان میری ہجر میں ؛ کونے کونے ڈھونڈتی پھرتی قضا تھی میں نہ تھا۔ یا ایک فارسی شاعر نے کہا ہے ؎ تنم از ضعف چناں شد کہ اجل حسب دنیا فت ؛ نالہ ہرچند نشاں داد کہ در پیرہن ست ؛ دفیہ مافیہ

دست در گردن خود میکنم از جوشش شوق
چہ قدرہاست مگر حسرت ہمدوشیہا

یعنی مجھے ہمدوشی کی حسرت اس قدر ہے کہ اپنے ہاتھ کو مارے شوق و آرزو کے اپنی گردن میں ڈالتا ہوں اور اس طرح ایک گونہ اپنے دل کو تسلی دے لیتا ہوں۔ ہمدوشی کی حسرت اس سے بہتر پیرایہ میں نہیں بیان کی جا سکتی۔ مضمون شعر بالکل واقعیت پر مبنی ہے شدت شوق و آرزو کی حالت میں اکثر انسان سے ایسا ہوتا ہے۔ غالباً یہ مضمون سعدی کے اس شعر سے ماخوذ ہوگا ؎ گر نبود دلبر ہمخوابہ پیش ؛ دست تواں کرد در آغوش خویشتن ذیل میں انکی غزلیات سے چند منتخب اشعار ہر قسم کے مضامین کے درج کئے جاتے ہیں جس سے ان کی غزل کا انداز معلوم ہوگا۔

عاشقانہ کو حوصلہ و طاقت گفتار و دماغے ——— گر بہ سر لطف و کرم است دلشکن آئی — عاشقانہ
تا نظر افگندہ سوے کسے ——— خویش نمی آید مرا رو سوے کسے — عاشقانہ
مدتے شد بہ ہجر خورسندم ——— بعد رنج ست شادمانی ہا — ہجر
رنج آید در نظر آئینہ دار می آید ——— بسا دلی حیف قدر ارفع کار می آید — عاشقانہ

همچو بیمار عزیزی که بدستش دارند — استفتی طرفه مرا با دل زارم افتاد
ناله آهسته کنم رحم مرا می آید — که درین سینه زارم دل بیماری هست
حال دستار چه پرسی بفراق دلدار — سر ما همچو گهر بر تن ما باری هست
هر چند سراپاش پر از نقش و نگار است — داغی ست مرا منتخب از زیور طاوس
با گریه عاشق چه کند گریه زاهد — این پیش کسان گریه کند او به بیابان
ای دل خسته یار می آید — صبر و عیش و قرار می آید
خون شدن یا بخاک غلطیدن — دیگر از دل چه کار می آید
برنج ست آنکه دلداری ندارد — ز فخر گلشنی بدل خاری ندارد
حباب آسا سبکباری ست خرم — بفرق خویش دستاری ندارد
هجوم مردم این شهر دارد دم دل تنگ — بکوه و دشت روم دلگشاده می گریم
بشوق دیدن آن ماه رو چو آئینه — سری بزانوی حسرت نهاده می گریم
بدرد هجر تو چون سیل آنچنان زارم — که سر بدامن صحرا نهاده می گریم
از تیغ آبدارش امید داشتی بود — پیکان تیرش افگنده آخر بکار عقده
هر کس بقدر حالش از دوست شاد کام است — آمد فقط بکارم زان گلعذار عقده
رفته در ویرانه در انتظارش میکشم — عرض حال دل مرا با دوست تنها کردنی ست
خوب تر از راستی گردد ز وضع یار کج — چون گذارد بر سر خود طره دستار کج
عشق را لازم بود پیوسته همرنگی حسن — میکند بلبل ز وضع شاخ گل منقار کج
خواستم هر چند تا در پرده دارم سر خویش — از صفای دل عیان شد راز پنهانم چو صبح
بیا به محفل رندان بدست آر قدح — بانتظار تو گردید چشم زار قدح
کجا علاج فراقش به می کشی آید — به هجر دوست فزاید مرا خمار قدح
بعد ازین در حسن بیرنگی دل میدهم — الفت این نوخطان آئینه ام را زنگ بود
نگو بیمت که بمینای می شراب انداز — بنای صبر و خرد را دگر بآب انداز
بآب دیده عاشق براری دارد — نگاه گرم یکی بر سر سحاب انداز
بغیر دیده رونق سرای حسن تو نیست — به بزم بوالهوسان گرد بی نقاب انداز
باندک التفاتش خسته جانان می رهند از غم — چرا بر خود نبیند اندر نگاهی چشم بیمارش
اگر در انتظارش کور گردد دیده عاشق — ظهور شمه دان از تغافلهای بسیارش
نخواهد سرخوش او ساغری گر جام جم باشد — بیک جو غم نگیرد راحت کونین مخمورش
بفرق خویش بندد منعم و صد نازها دارد — نم آب خجالت می شمارم در مکنونش
هر آنکس چون حنا هم پنجه دلبر شود رونق — بآئین حمیت لازم آمد ریزش خونش
نمیدانم چه میگوید بشوخی چشم جادویش — بزانوی ادب در پیش او خم گشته ابرویش

صبا بار دگر رہبر شوی گر تا سر کویش — دل آشفتۂ خود را نمایم نذر گیسویش
ندانم تا چہ باشد مدعائے التفات او — کہ دارد با مسلماں میل یارب زلف ہندویش

اس شعر کے موزوں کرتے وقت رونق کی جو مراد ہوگی وہ تو ظاہر ہے۔ لیکن ہندوستان کے پولیٹکل انقلاب نے اس شعر کو مسلمانوں کے موجودہ خیالات کے مطابق کر دیا ہے۔ جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کے میل ملاپ کو شک کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور اتحاد و اتفاق کی طرف انکی پیش قدمی کو خود غرضی پر محمول کرتے ہیں یہ شعر ان کے خیالات کی ہوبہو تصویر ہے۔

بزم بے تو ز صہبائے خوشگوار چہ حظ — اگر فسردہ بود دل ز نوبہار چہ حظ

اس زمین میں غالب کا مطلع بھی نہایت پرلطف اور بلند واقع ہوا ہے ؎

مرا کہ بادہ ندارم ز روزگار چہ حظ — ترا کہ ہست و نیا شامی از بہار چہ حظ
کجا بوصل میسر شود چنیں راحت — شب فراق تو بر دم در انتظار چہ حظ
تو اول از ہمہ جام شراب را درکش — بزم بادہ چو ساقی ست ہوشیار چہ حظ

اسی مضمون کے قریب ان کا ایک اور شعر ہے ؎ سبو بدوش و صراحی بکف پیالہ بدست، بہزار شکر کہ ساقی بہ ننگ و عار نماند۔

بادامن از دم سرد دل پروانہ ہا — خوش بہارے در نظر دارد گل بیجار شمع
شوق کامل را نباشد ہیچ حائل درمیان — مانع پروانہ کے گردد نگر دیوار شمع
در شب ہجرت چہ گویم ماجرائے درد را — سطرے از حال دل ما رم بود طومار شمع
زجبیں راستان احوال باطن روشن ست — داغ دل گردد عیاں از دیدن رخسار شمع
نیست قدرے خوبرویاں را بغیر از عاشقاں — از پر پروانہ باشد گرمی بازار شمع
می آید آں آشوب جاں از بہر قتل عاشقاں — در دست تیغ خونفشاں بگرفتہ داماں در بغل
مستانہ خرامی چو بصحن چمن آئی — پیمانہ شکن گر بسر انجمن آئی
کے دست دہد اینکہ در آغوش من آئی — جان در تنم آید اگر اے سیم تن آئی
رونق بخیالت ہمہ شب دیدہ نہ بندد — اے کاش بخوابش پئے رخ بے فتن آئی
شوخی مکن نسیم بزلف نگار من — فہمیدہ نہ قدم بہ شب تار راندہ کے
گر ہمین ست بہ دنیا ثمر باغ وداد — بچہ امید کسے مہر و فا می سازد

تصوف و اخلاق فارسی شاعری میں غزل کا ایک بہت بڑا حصہ تصوف و اخلاق کے لئے مخصوص ہے کوئی فارسی گو شاعر ایسا نہیں نکلیگا جس نے غزل کو محض عاشقانہ مضامین سے مختص کیا ہو۔ چونکہ رونق صائب کی طرز میں بہت شعر کہے ہیں اسلئے ان کے کلام میں اخلاقی شاعری کا عنصر معتدبہ موجود ہے۔ صائب کی طرز اکے اشعار اوپر نقل کئے جا چکے ہیں یہاں ان منتخب اشعار کو نقل کیا جاتا ہے جو اس طرز سے الگ ہیں۔

در باغ این جہاں بچہ دل خوش کند کسے — گل ہیچ، غنچہ ہیچ، خزاں و بہار ہیچ

رنگ عیشے بدہر نیست کہ طفل — دست حسرت گزیدہ می آید
از رخ غیر دیدہ می پوشد — ہر کہ روئے تو دیدہ می آید
ہفت کشور زکف آور دو ندیدہ ہرے — کاش اسکندر رومی بدسلے جامی کرد
یک شکر لب نیست در باغ جہاں بیدردہر — یار محو آئینہ طوطی گرفتار قفس
واخلاق تلخ گردو بمذاقت چو قناعت گیری — آنچہ اکنوں بنگاہ تو رسد نوش ہوس
نقمہ وف ز بار وام حیہ گویم نمی توان گفتن — گراں چو کوہ بود گرچہ ہست یک پل قرض

اس زمین میں اور بھی بہت سے لوگوں نے غزلیں کہی ہیں مگر یہ قافیہ ان ہی کے حصہ میں آیا ہے، اور ردیف کے ساتھ ایسا دست و گریبان ہے کہ دوسرے مضمون کی گنجائش نہیں ہے ۔ پل مخفف پول بمعنی فلوس

جلوہ گاہ آن پری در کعبہ و بتخانہ نیست — بر رخ مطلوب آمد صد حجاب از سنگہا

قافیہ اور ردیف کی سنگلاخی کو ملاحظہ فرمایا جائے اور پھر مضمون کی برجستگی اور طرز ادا پر غور کیا جائے اکثر شعرا نے لکھا ہے کہ کعبہ و بتخانہ درحقیقت دونوں ایک ہی چیز ہیں صرف ظاہری اختلاف ہے چنانچہ حافظ فرماتے ہیں ؎ چراغ بتکدہ و شمع خانقاہ یکی ست ٭ اگرچہ دیدہ دو آمد ولے نگاہ یکی ست ٭ عرفی کہتا ہے ہرگز مگو کہ کعبہ ز بتخانہ خوشتر ست ٭ ہر جا کہ ہست جلوہ جانانہ خوشتر ست ٭ ایک اور شاعر کہتا ہے ؎ مقصود من از کعبہ و بتخانہ توئی ٭ ورنہ من ازیں ہر دو مقام آزادم ۔ مگر رونق نے ان سب سے الگ راہ اختیار کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ کعبہ و بتخانہ کا نام ہی نہ لو۔ اس قسم کے تعین و تخصیص سے شاہد مطلوب کے چہرہ پر حجاب پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اسکی جلوہ گری کو نہ کعبہ سے علاقہ ہے نہ بتخانہ سے ایسی مشکل زمینوں میں ایسے شعر بہت کم نکلتے ہیں ۔

مشکل این ست کہ ہمجنس شود دشمن من — گر ز دل دور کنم صورت خارائی را
چو دل تہی ز غیر شود جلوہ گاہ اوست — مملو شد از محیط از آں خانۂ حباب
نمی گنجید وہم ہستیم در جلوہ گاہ او — دو عالم فرد باطل بود شب جائیکہ من بودم
نگر د حسن جاناں جلوہ گر در عرصۂ امکان — تماشا گاہ او دل بود شب جائیکہ من بودم

کلام میں سوز و گداز نہ ہونے کی وجہ

چونکہ رونق کا یہ کلام ۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ۔ نوجوانی کا ہے جو بالکل بےفکری کا زمانہ تھا اور تاج الامرا ماجد کی صحبت میں بڑے عیش و آرام سے گزرتی تھی اس لئے اس میں سوز و گداز نظر نہیں آتا ۔ دراصل شاعری جذبات کے اظہار کا نام ہے ، جو لوگ فطری شاعر ہوتے ہیں جب تک کوئی کیفیت ان کے دل پہ نہیں گزرتی ، جب تک ان کا دل کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا ، وہ اس کو بیان بھی نہیں کر سکتے ۔ جو شاعر جس حالت میں رہے ہیں ، ان کے کلام میں اسکی جھلک ضرور نظر آتی ہے ایک ایسا شخص جسکی عمر عیش و آرام میں گزر رہی ہو ، رنج و غم کی تصویر اگر کھینچی چاہے تو یقیناً اسکو ناکامی ہوگی ۔ کیونکہ طبیعت میں جب آمد ہی نہ ہو تو آورد سے کیا خاک لطف آسکتا ہے ۔ شاید رونق کے پایان عمر کا کلام ایسا نہ ہو ۔ سیلاب غم اور گرداب غم انکی جو دو مثنویاں

ہیں انکی نسبت واصف نے لکھا ہے کہ نہایت پر سوز کہی ہیں چونکہ یہ دونوں مثنویاں دلی دوستوں کے مرثیہ میں لکھی گئی ہیں اس لئے ان میں سوز و گداز ہو تو کوئی تعجب نہیں۔ زمانہ کی ناقدری۔ فلک کی شکایت، فراق و ہجر، دیوانگی، بیقراری اور گریہ وزاری کے مضامین، دیوان میں اکثر جگہ پائے جاتے ہیں، مگر ان میں زار نالی اور درد و اندوہ کی وہ حقیقی کیفیت اور رنج و الم کی وہ اصلی تصویر نہیں ہے جس کو دیکھکر انسان دل پکڑ کر رہ جائے اور سننے والا کلیجا تھام کر بیٹھ جائے۔ لیکن اس سے شاعر کے کلام میں کسی قسم کا نقص عاید نہیں ہو سکتا۔ حافظ کی شاعری میں کس کو کلام ہے مگر ان کے دیوان میں بمشکل ایک آدہ شعر بھی ایسا نکلے گا جس سے سوز و گداز کی بو آتی ہو؟ فوق کو آج کون استاد نہیں مانتا مگر انکا کلام درد و غم کے اثر سے بالکل خالی ہے۔

ہندی الفاظ کا استعمال

رونق کے کلام میں کئی ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جو ہندی ہیں اور بعض ایسے مضامین بھی انھوں نے نظم کئے ہیں جو ہندوستان سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ یہ امر عام طور پر ہمارے یہاں کے شعرا کے بالکل برخلاف ہے۔ خال خال ایسے ہندی شعرا نظر آئیں گے جنھوں نے اپنے ملکی خصوصیات، رسم و رواج اور تمدن و معاشرت کو مدنظر رکھکر شعر کہا ہو ورنہ عام طور پر ہمارے شعرا رہتے تو ہیں ہندوستان میں مگر کہتے ہیں ایران و توران کی۔ بمناسبت مقام ہم رونق کے اُن اشعار کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

بدست توکل زحرم آز دست رونق را ــــــ بگردنِ توجہ ہا ست حمائل افتادست

ہزار خلعت زریں و جامہ دیبا ــــــ بصبح و شام بدوشش کہار بر پاشد

میانہ کی سواری کی طرف تلمیح ؎ چو نیست اہل مردل دریں عالم ــــــ جنازہ سان بچہ صورت بدوش می آید

یعنی اہل دول مردہ دل ہیں اسلئے میانہ میں جنازہ کیطرح کندھوں پر لدے ہوئے آتے ہیں۔

زسلک گوہر اشک روا سپنے ــــــ براسئے زیور او مالہ دارم

ہندوستان کی ہولی اور تقاریب نشاط کی رنگ افشانی کو اس شعر میں یوں نظم کرتے ہیں۔

رنگ نشاط ریختہ آمد نگار من ــــــ دارم بدست خود ز برائے نثار رنگ

ہندوستان میں رسم ہے کہ جلوہ کے وقت تفاؤل نیک کے طور پر، دولہن کا منھ دکھانے سے پیشتر دولھے کو قرآن کھولکر دکھاتے ہیں۔ اس سے یہ شاعرانہ مضمون پیدا کرتے ہیں ؎

در امید جلوۂ رویش زسیل گریہ ام ــــــ مصحف لخت دل از بہر شگون آید بروں

فطرت پرستی

معلوم ہوتا ہے کہ رونق کی طبیعت فطرتاً نیچر پرست واقع ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اس زمانہ میں جبکہ خیال بندی کا چرچا اور خیال پرستوں کا دور دورہ تھا۔ انکی طرز اختیار نہیں کی اور صفائی زبان اور طرز ادا کی بے تکلفی اور سادگی کو پسند کیا اس میں شک نہیں کہ وہ زمانہ کے اثر سے نہیں بچ سکے اور ان کے کلام میں بھی وہ عامتہ الورود نقایص نظر آتے ہیں جن سے کسی ایشیائی شاعر کا کلام خالی نہیں۔ لیکن مبالغہ، غلو، اغراق، تخیل محض، اور لفظی طلسم جس کو معنی سے کوئی سرکار نہیں اور جو اس زمانہ میں سرمایۂ نازش سمجھا جاتا تھا۔ ان کے یہاں بہت کم ہے۔

چونکہ مدراس ایک زمانہ تک ان کا وطن رہا تھا، اور وہاں کے دریا کا دلچسپ و دلفریب منظر پیش نظر تھا۔ اس لئے دیوان میں بہت سے ایسے شعر نظر آتے ہیں جن کے مضامین کا انتزاع دریا سے کیا گیا ہے؛ کئی ایسی تشبیہیں استعمال کی گئی ہیں جنکا ماخذ دریا ہے؛ کئی ایسے شعر ملتے ہیں جن سے دریا کی خصوصیات اور نیچرل کیفیات کا پتہ لگتا ہے۔ یہ ایک بین ثبوت ہے ان کے وقوع گو، فطرت پرست، اور نیچرل شاعر ہونے کا، اگر وہ اس زمانہ میں ہوتے تو اُن کی شاعری بعینہ مناظر قدرت، اور حقائق روزمرہ کی تصویر، اور ان کا دیوان سراسر نیچرل مضامین کا مخزن ہوتا۔ ہم اس قسم کے چند اشعار ذیل میں التقاط کر کے لکھتے ہیں۔

(۱) دریا کے شور و غوغا کو وہ اپنی غزل کے ایک شعر میں اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔

فلک از شور دریا پنبہ در گوش خود انداز د ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ہنگامیکہ آرد سیل آب دیدہ در جوشش

(۲) دریا کی موجوں سے ایک شاعرانہ مضمون کا استنباط۔

وسعت دلہای روشن دید شاید کز حسد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ میزند از موجہا بر خویشتن خنجر محیط

(۳) شاعرانہ تخیل۔

بسیر بحر چو رفت آں نگار زریں پوش ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ زعکس او شدہ ہمرنگ زعفران گوہر

(۴) ساحل دریا سے ایک لطیف تخیل کا انتزاع۔

کہ رفت بہر تماشائے آب دریا را ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ زشوق دیدن او سر بساحل افتادہ ست

(۵) مبالغہ مستی چشم معشوق۔

گر گاہ مست او بر ساحل دریا فتد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ پر زمے گردد صد فہا جملہ چو ساغر در آب

(۶) معشوق کے لباس کا عکس دریا میں۔

زعفرانی پوش من گر جانب دریا رود ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ میشود یکسر حبابش چوں گل اصفر در آب

(۷) بغیر حسینوں کے دریا کی سیر کا لطف آ نہیں سکتا۔

سیر دریا نتواں کرد کہ بے ماہ رخے ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ موجۂ آب رواں کام نہنگست اینجا

اخیر خصوصیت اب ہم دیوان رونق کی اخیر خصوصیت بیان کرتے ہیں جس سے شاید اردو دواوین خالی ہوں۔ اکثر شعرا کے کلام میں دیکھا گیا ہے کہ ان کو ایک خاص مضمون اور ایک خاص عنوان پسند آ جاتا ہے جس کو پھیر پھیر کر وہ اپنے کلام میں مختلف اسالیب اور مختلف پیرایوں سے باندھتے ہیں۔ چنانچہ اردو میں رند نے "بلبل" کے متعلق اسی قسم کے اکثر شعر کہے ہیں۔ اسی طرح رونق نے بھی اپنے دیوان میں "سحر" کے متعلق بہت سے شعر کہے ہیں اور اُس سے نئی نئی تشبیہیں اور نئے نئے مضامین اختراع کئے ہیں جو اردو دواوین میں بہت کم نظر آتے ہیں چونکہ دیوان رونق کی یہ ایک ممتاز خصوصیت ہے اسلئے مناسب ہے کہ ان تمام اشعار کو ایک جگہ جمع کرکے لکھ دیا جائے اور حل طلب اشعار کی تشریح بھی کر دی جائے تاکہ ناظرین کو اندازہ کرنے کا موقعہ ملے کہ انھوں نے اس لفظ سے کیسی کیسی تشبیہیں اختراع کی ہیں اور کیا کیا مضامین پیدا کئے ہیں۔

باین حیات تنک مایہ گرم جولان ست ‏— زہستی و عدمش بر شرار خندہ زنم
فرصت یک دم این قدر جولان ‏— خندہ ام بر شرار می آید

ان دونوں شعروں کا مضمون واحد ہے مگر ہر ایک میں اس خوبی سے بندھا ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ اس سے بہتر پیرایہ نہیں ہو سکتا۔

شرار آسا دمی فرصت ندارم ‏— کہ آغاز مرا انجام کردند

اس شعر کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے یہ شعر منتخب اور برگزیدہ اشعار میں سے ہے۔

ز بے ثباتی این بزم سے دلم سوزد ‏— نم شراب خواہم بود شرار غرض

شعر کا مطلب یہ ہے کہ اس بزم (یعنی دنیا) کی بے ثباتی پر میرا دل پسیجتا ہے۔ میں جب شراب کی ایک بوند چاہتا ہوں تو سمجھو کہ میری غرض شرار سے ہے۔ کیونکہ قطرۂ شراب اسی قدر بے ثبات اور ناپائیدار ہے جیسا کہ شرار۔ شراب کا مزاج چونکہ آتشیں ہے اور بوند کی شکل شرار کی ہمشکل ہے، اس لئے اس کی بوند کو شرار سے تشبیہ دی ہے۔

چہ قسمت ست مرا از ل نگہ رونق ‏— بجائے قطرہ مے ریزد دم شرار قدح

یہ شعر معناً اوپر کے شعر سے بہت قریب واقع ہوا ہے۔

برباد شوی گر بروی از وطن خویش ‏— اندیشۂ پرواز بلائے بشرار است

صائب کی طرز کا تمثیلیہ شعر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سفر میں خطر ہے، اس لئے اپنے وطن سے قدم باہر نہ نکالو، ورنہ برباد ہو جاؤ گے کیونکہ پرواز کا خیال شرار کے لئے مصیبت ہے۔ جب تک وہ پتھر میں (جو بمنزلہ اس کے وطن کی ہے) رہتا ہے، موجود رہتا ہے۔ جہاں نکلا کہ معدوم ہوا۔ یہ تمثیل جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں بالکل نئی ہے شرار سے کسی شاعر نے یہ تمثیل استخراج نہیں کی۔

ز سرد مہری ارباب روزگار مپرس ‏— درون سنگ ز تاثیر آن شرار نماند
کاش پیدا می شدے از بہر دل جائے دگر ‏— عرصۂ ہستی بجولان شرارم تنگ بود

یعنی دل کی جولانیوں کے لئے یہ دنیا کافی نہیں ہے کسی اور دنیا کی ضرورت ہے "شرارم" سے مراد دل ہے۔ دل کو شرار سے اس لئے تشبیہ دی ہے کہ شرار میں بھی دل کی طرح حرکت ہے، بلکہ اس کا وجود اسی وقت تک ہے جب تک کہ حرکت ہے، جہاں حرکت ختم ہوئی وہ فنا ہو گیا، یہی حال دل کا ہے جب تک وہ حرکت کرتا رہتا ہے زندگی ہے، جب اس کی حرکت موقوف ہوئی تو بس موت ہے۔ غالباً یہ تشبیہ بھی نئی ہے۔

بکام رانی گیتی کجا دہے فرصت ‏— متاع عیش بدوش شرار می آید

یعنی دنیا میں کسی شخص کو عیش و نشاط کی فرصت نہیں ہے کیونکہ سامان نشاط شرار کے کندھوں پر آتا ہے جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ شرار کی طرح بہت جلد فنا ہو جائے یا یہ کہ دوش شرار پر ہونے کی وجہ سے جل کر خاک سیاہ بن جائے۔

آمد بقصد عربدہ دیگر بجنگ سنگ ‏— ہمچون شرر گرفتہ در آغوش تنگ تنگ

آغوشِ تنگ اس لئے کہا ہے کہ پتھر میں چنگاری چھپی ہوئی رہتی ہے۔ جس سے شاعر نے یہ تمثیل پیدا کی کہ پتھر نے اس کو اپنی بغل میں داب لیا۔ یہ تشبیہ بھی انوکھی ہے

بہ عشقِ شعلۂ رویش زبسکہ لبریزم بساں شیشۂ آتش شرار گریہ کنم

یعنی معشوق کے شعلۂ رخسار کے عشق میں، چونکہ میں لبریز ہوں اس لئے شیشۂ آتشی کی طرح میرا رونا شرر کے سوا کچھ نہیں۔ مطلب یہ کہ بجائے آنسو کے میری آنکھوں سے چنگاریاں جھڑتی ہیں۔ اس شعر میں صرف ندرتِ تشبیہ ہے کوئی معنوی لطف نہیں۔ اسی کے قریب قریب انکا ایک اور شعر ہے، رونق

بدل فتادہ چہ آتش کہ دمبدم ز انکباری فرہ کار شرر کنم

مرو آتش خراج من بسیرِ گلستاں ہرگز چمن مجمر شود گل شعلہ میگردد شرر شبنم

نہایت لطیف اور نادر تشبیہ پیدا کی ہے۔

از بستگی کارم جانے رسد بہر دم سرمایۂ حیا تم شد چوں شرار عقدہ

نہایت بلیغ شعر کہا ہے جسکی تشریح و توضیح کماحقہ الفاظ میں نہیں ہو سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ میرے کاموں میں جو گتھیاں پڑی ہوئی ہیں اس کو سمجھو کہ جان پڑی ہوئی ہے۔ میری زندگی کا سرمایہ شرار کی طرح عقدہ میں بند ہے۔ پس اگر اس سرمایہ کی گرہ کھل جائیگی تو موت یقینی ہے۔ شرار کی زندگی اُسی وقت تک ہی جبتک وہ پتھر میں بند پڑا ہے، جہاں وہ پتھر سے باہر نکلا، معدوم ہوا۔ شاعر کہتا ہے کہ میری زندگی کے تمام سرمایہ اور تمام کاموں کی یہی حالت ہے، جب تک وہ گتھے ہوئے اور بند پڑے ہیں۔ اُسی وقت تک موجود ہیں جہاں ان کے الجھاؤ نکل گئے اور ان کے بند کھل گئے تو سمجھ لو کہ وہ نابود ہیں۔ فلسفیانہ اور متصوفانہ شعر ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جو باتیں بظاہر ہم کو مضر معلوم ہوتی ہیں درحقیقت اُن ہی میں ہمارا نفع چھپا ہوا ہے، جن امور سے ہم کو فائدہ کی توقع ہے درحقیقت وہی ہمارے لئے سنگ راہ ہیں موجودہ حالت جو کچھ اور جیسی کچھ ہے اس سے بہتر حالت نہیں ہو سکتی۔

قصائد | رونق نے قصیدے بہت کہے تھے مگر وہ یا تو فراہم نہیں کئے گئے یا تلف ہو گئے اگرچہ اس دیوان میں ان کے صرف دو ہی قصیدہ ہیں مگر انکا زورِ طبیعت جس قدر قصیدوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے ویسا غزلیات سے نہیں ہوتا۔ انکی غزلیات میں اکثر ایسے شعر نظر آتے ہیں جن میں قصیدہ کی شان پائی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی طبیعت کو بہ نسبت غزل کے قصیدہ سے زیادہ لگاؤ تھا اور قصیدہ گوئی کی مشق بہت رہی تھی۔

گلزارِ اعظم میں "گوہر" کے قصیدہ سے چند اشعار نقل کر کے مصنف نے لکھا ہے: "باید دانست دیگر ہمطرحان او ہم دریں زمین بادے سابقہ نمودہ اند" اور اسکے بعد انکے معاصرین خلوص، نامی اور شایق کے جستہ جستہ اشعار نقل کئے ہیں اگرچہ قصیدہ کی صنف ان کے ہاں اس قدر کم ہے کہ اس کے متعلق زیادہ لکھنے اور بحث کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اگر ہم مصنف مذکور کے ریمارک پر نظر ڈالنے کی غرض سے اس قصیدہ کے بعض اشعار کا، ان کے معاصرین کے اشعار کے ساتھ موازنہ کریں تو غالبا

موقع و محل کے لحاظ سے نامناسب نہ ہوگا۔ ذیل میں ہم انھی اشعار کا موازنہ کریں گے جو مضمون اور قافیہ کے لحاظ سے ملتے جلتے ہیں، اور ہر ایک شعر کی تشریح کرنے کے بعد ہم اپنی رائے بھی اس کے متعلق ظاہر کرینگے جس کا فیصلہ منصف مزاج اور نقاد سخن حضرات کے ہاتھ ہے۔

رونق — **خلوص**

جو آب و تاب سرشکم بہ بیند از شرمش — زحسرت در دندان آن گدا ان گوہر
بخویش تیغ کشد از صدف نہان گوہر — شدہ بچشم صدف اشک سان نہان گوہر

نہاں کا قافیہ نامی اور **شایق** نے نہیں باندھا۔ **رونق** کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ میرے آنسو کی آب و تاب دیکھکر موتی اس قدر شرمندہ ہوا کہ صدف سے جو مثل تیغ کے ہے اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ **خلوص** کہتے ہیں معشوق کے دندان کی حسرت سے موتی چشم صدف میں چھپ گیا۔ حسرت پوشیدہ ہونے کو لازم نہیں ہے۔

رونق — **خلوص**

زسینہ صافی جاناں صدف کند خبرے — جو آب بستہ شود در صدف گہر گردد
زتنگی دہنش می دہد نشاں گوہرے — زفیض جاری غزلت دہد نشان گوہر

رونق کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق کے سینہ کی صفائی کی خبر صدف دیتی ہے اور اسکے تنگ دہانی کا نشان گوہر سے ملتا ہے۔ تشبیہ نہایت عمدہ اور نیچرل ہے۔ **خلوص** کہتے ہیں جب پانی صدف میں جم جاتا ہے تو موتی بن جاتا ہے اور موتی غزلت کے فیض جاری کا نشان دیتا ہے۔ پہلے تو **رونق** کے شعر میں "کند خبرے" اور "می دہد نشاں" کے تقابل سے جو حسن پیدا ہوا ہے وہ **خلوص** کے یہاں نہیں دوسرے یہ کہ جاری کا لفظ محض بیکار ہے کیونکہ فیض کے جاری رہنے کا کوئی ثبوت شعر میں نہیں ہے بہرحال یہ قافیہ **رونق** کے یہاں زیادہ اچھا بندھا ہے۔ غزلت گزینی کے مضمون کو **رونق** نے بھی نظم کیا ہے جو قابل ملاحظہ ہے ؎ مدام اہل ہنر گوشہ گیر می باشند کہ منزوی بصار ست جاودان گوہر

رونق — **خلوص**

زحب مال دل اغنیا شود ناسور — نہ آہ رخنہ بدل کن وصال گر خواہی
ز رخنہ بہر ہمیں یافتہ زیاں گوہر — کہ یافت جا بگلوئے بتاں ازاں گوہر

ان دونوں شعروں میں رخنہ کا مضمون باندھا گیا ہے۔ **رونق** کہتے ہیں کہ مال و دولت کی محبت سے مالداروں کے دلوں میں ناسور پڑ جاتا ہے، گوہر بھی اسی لئے بندھا گیا ہے۔ جب موتی بازار میں بکتا ہے تو استعمال میں لانے کیلئے اس میں سوراخ کیا جاتا ہے، اس سے شاعر نے یہ تمثیل پیدا کی کہ روپیہ سے گوہر کو چونکہ محبت تھی اس لئے اسکو یہ نقصان برداشت کرنا پڑا، ورنہ وہ کیوں بندھا جاتا یہی حال مالداروں کا ہے کہ ان کے دلوں میں حب مال کی وجہ سے ناسور پڑ گئے ہیں۔ **خلوص** کہتے ہیں کہ اگر تجھکو شاید مطلوب کے وصال کی خواہش ہے تو آہ سے دل میں رخنہ کر کیونکہ اسی وجہ سے موتی نے حسینوں کے گلے کے پاس جگہ پیدا کی ہے۔ **شایق** نے اس مضمون کو یوں باندھا ہے۔

مصرع ثانی میں صرف سست گوشہ گیراں را کہ رخنہ رسنہ یافتہ بجان گوہر۔ اس شعر میں مصرع کی تکرار بے ربط معلوم ہوتی ہے اسکے سوا مصرع گوہر رخنہ سے اس قدر مناسبت نہیں ہے جس قدر کہ محبت یا آہ کو کیونکہ ان کو شعر از رخنہ نکلنا ہے برخلاف مصرع کے۔

نتیجہ

نامی / رونق

نامی	رونق
بہ پیش صاف دلاں قدر ناتواں باشد	ز دہر مال بود زندگی زر داراں
کہ جائے رشتہ کنند درمیان جان گوہر	بقالب صدف آمد برنگ جان گوہر

رونق کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ مالداروں کی زندگی زر و دولت کی محبت سے ہے اسی وجہ سے موتی صدف میں مثل جان کے رہتا ہے۔ صدف کی قالب سے اور موتی کی جان سے نہایت عمدہ تشبیہ ہے۔ اور پھر کنایتہً اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صدف کو موتی سے جان کے برابر محبت ہے نہایت بلیغ پیرایہ بیان ہے، اور پھر پہلے مصرع میں زندگی کا لفظ بلاغت کی جان ہے۔

نامی کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو ناتوان ہوتے ہیں ان کو صاف دل اپنی جان کے اندر جگہ دیتے ہیں جیساکہ موتی کہ اس نے تاگے کو اپنی جان کے اندر جگہ دی ہے۔ اس شعر کا مضمون غیر واقعی ہے محض شاعرانہ ادعا ہے جسکی کوئی اصلیت نہیں۔ رونق کے شعر کو لفظاً و معناً ہر طرح ترجیح حاصل ہے کما لا یخفی علی من لہ ذوق صحیح۔

نتیجہ

نامی / رونق

نامی	رونق
ز جوہر پسران روشن ست نام پدر	بہم رساندہ زبانے ز رشتہ می سازد
نمودہ معنی ابر کرم بسان گوہر	ستائش دُرِ دندانِ او بیاں گوہر

رونق کہتے ہیں، موتیوں میں جو تاگا پرو دیا گیا ہے وہ گویا معشوق کے دانتوں کی تعریف کرنے کیلئے ایک زبان پیدا کی گئی ہے جو اس کے چھوٹے چھوٹے موتی سے دانتوں کی چمک دمک ہمواری وغیرہ وغیرہ صفات کی تعریف کر رہی ہے۔ یہ شعر حسن تخییل کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے۔ ایسے لاجواب اور لطیف اور نازک تشابیہ شعرا کو بہت کم سوجھتے ہیں اس بیت کو بیت الغزل اور بیت القصیدہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاگے کو زبان سے تشبیہ دی ہے اور اس سے یہ معنی پیدا کئے ہیں کہ وہ زبانِ حال سے دُرِ دنداں کے وصف میں رطب اللسان ہے لیکن اسکے ساتھ ہی اس میں یہ خوبی بھی ہے کہ موتی جب تاگے میں پروئے جاتے ہیں اُسی وقت وہ دانتوں کے مشابہ ہوتے ہیں؛ دوسرے یہ کہ گو دندانِ معشوق کی تعریف خود شاعر کر رہا ہے مگر اس کی اسناد گوہر کی طرف کرتا ہے جس سے مدح میں زور پیدا ہو گیا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے محبوب کی تعریف میں مبالغہ اور غلو سے کام لیتا ہے اگر غیر شخص کریگا تو اسکی تعریف جانبداری اور غلط بیانی کے شائبہ سے مبرا ہوگی۔ چونکہ یہ مضمون کنایتہ میں ادا ہوا ہے اس لئے نہایت پر لطف ہو گیا ہے جسکا ادراک ذوق سلیم پر موقوف ہے۔ اسی موقعہ کیلئے کہا گیا ہے الکنایۃ ابلغ من التصریح۔

نامی کا شعر اس قافیہ میں اسی قدر پست اور کم وزن ہے جس قدر کہ رونق کا شعر اعلیٰ و ارفع

پہلے تو نامی کے شعر میں الفاظ کی مناسبت اور موزونیت نہیں ہے۔ پہلے مصرع میں "پسران" کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ گوہر جس سے تشبیہ دی گئی ہے واحد ہے۔ دوسرے یہ کہ مصرع اولی میں کہتا ہے بیٹیوں سے باپ کا نام روشن ہے اور مصرع ثانی میں کہتا ہے موتی سے ابر کرم کے معنے بیان کئے گئے۔ ظاہر ہے کہ دوسرے مصرع میں نام کے روشن کرنے کے لئے کس قدر پھیکے اور کم وزن الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جو بالکل اصول بلاغت کے خلاف ہے۔ اسی مضمون کو رونق نے بھی نظم کیا ہے ؎ بخاندان خلف نامور دہد شرفے ٭ فرود منزلت و قدر بحر و کاں گوہر ٭ مضمون ایک ہی ہے مگر رونق نے کس قدر ترقی دی ہے! آبا و اجداد کے نام کو روشن رکھنا اس قدر قابل تعریف نہیں جس قدر کہ ان کے لئے باعث فخر و نازش ہونا اور انکی قدر و منزلت کو اپنی ناموری سے بڑھا دینا۔

رونق

گدا ز صحبت منعم ہمیشہ دارد عار
جدا فتادہ ز دریا برائے آں گوہر

نامی

ہمیشہ اہل ہنر غربت آشنا باشند
جدا فتادہ ازیں رو ز بحر و کاں گوہر

اگرچہ دونوں کے ہاں قوافی مختلف ہیں لیکن دوسرے مصرع کا مضمون اور الفاظ لڑ گئے ہیں۔ دونوں کے شعر میں یہ بتایا گیا ہے کہ موتی اپنی اصلی جگہ سے نکل آیا مگر وجوہ مختلف ہیں؛ رونق کہتے ہیں کہ فقیر کو مالداروں کی صحبت سے نفرت ہوتی ہے اور عار آتی ہے اس لئے گوہر نے دریا سے علیحدگی اختیار کی۔ نامی کہتے ہیں اہل ہنر غربت آشنا ہوتے ہیں اسی لئے موتی دریا کو چھوڑ کر باہر آگیا۔ نامی کا شعر واقع کے زیادہ مطابق ہے کیونکہ موتی کا گدا ہونا ایک غیر معروف بات ہے؛ برخلاف اہل ہنر ہونے کے کہ وہ ظاہر و واضح ہے۔

رونق

ز آبرو نہ پسندم بخویش ننگ سوال
بغور بیں کہ بقفل بر دہاں گوہر

نامی

چہ دید لولو لالا بتار گیسویش
ز مہرہ مار نہاں کرد در دہاں گوہر

رونق کہتے ہیں کہ پاس آبرو کے خیال سے میں سوال نہیں کرنا چاہتا۔ دیکھو اسی وجہ سے گوہر نے اپنے منہ پر قفل لگایا ہے۔ چونکہ دریا سے نکالنے کے بعد موتی میں سوراخ نہیں ہوتا، اس سے شاعر نے "قفل بر دہاں" کی تخییل پیدا کی۔ آبرو کا لفظ گوہر کے لحاظ سے بہت مناسب واقع ہوا ہے اور قفل میں اور گوہر میں ایک گونہ مشابہت بھی ہے۔ نامی کہتے ہیں روشن موتیوں کو جب سانپ نے معشوق کے گیسوؤں میں پرویا ہوا دیکھا تو مہرہ کو بجائے گوہر کے اپنے منہ میں رکھ لیا۔ اس میں شک نہیں کہ نامی نے بہت عمدہ تشبیہ پیدا کی ہے۔ لیکن محاکی و نقالی کی صفت سانپ میں نہیں ہے، اس لئے اگر یوں کہا جاتا کہ معشوق کے بالوں میں موتی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا سانپ کے منہ میں مہرہ تو زیادہ مناسب ہوتا؛ یا یوں کہا جائے ؎ بسان لولو لالا بتار گیسویش ٭ ز مہرہ مار نہاں کرد در دہاں گوہر

شایق نے بھی اس قافیہ کو باندھا ہے مضمون مختلف ہے ؎ بدید تا عرق روی یار از حیرت ٭ زرشتہ بگذ رد انگشت در دہاں گوہر۔ نہایت عمدہ تشبیہ ہے لیکن پہلا مصرع ٹھیک نہیں ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ یار کے چہرے کے پسینہ کو جب موتی نے دیکھا تو مارے حیرت کے تاگے کی انگلی منھ میں رکھ لی لیکن جبتک لفظ عرق کے قبل یہ الفاظ محذوف نہ مانے جائیں وہ آب و تاب قطرہ ہای عرق ؛؛ اس وقت تک کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ پسینہ کو دیکھنے سے حیرت کیوں ہوئی چونکہ عرق کا دیکھنا حیرت کو لازم نہیں ہے اسلئے وجہ حیرت کا حذف کر دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ اگر یوں کہا جائے تو ایک حد تک درست ہو گا ؎ چو آب و تاب رخ یار دید از حیرت الخ

نامی	رونق
دروں دیدۂ ما اشک چوں بود قائم	بمال عاریتی ناز تس تونگر چیست
کہ چند روز بدریاست میہماں گوہر	کہ در خزانۂ او ہست میہماں گوہر

قافیہ ایک اور مطلب مختلف ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ایک ہی قافیہ کو دونوں نے کیسا باندھا ہے رونق کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ عاریتی مال پر مالدار کیوں اس قدر فخر و ناز کرتا ہے کیونکہ اسکے خزانہ میں موتی چند دن کا مہمان ہے۔ آج ہے کل نہیں۔ نامی کہتے ہیں۔ موتی دریا میں صرف چند ہی دن مہمان رہتا ہے مگر ہماری آنکھوں میں آنسو قایم و دائم کیوں ہیں۔ گوہر کا دریا سے نکالا جانا اس قدر ضروری اور لازمی نہیں ہے جس قدر کہ مالدار کی وفات کے بعد اسکے خزانہ کا دوسروں کے ہاتھ پڑ جانا۔ کیونکہ موتی کا نکالا جانا اور نہ نکالا جانا دونوں امکان کا حکم رکھتے ہیں۔ مگر کوئی مالدار شخص ایسا نہیں جس کو موت نہ آتی ہو اور اسکی دولت دوسروں کے ہاتھ نہ جاتی ہو۔ دروں دیدہ کی ترکیب کھٹکتی ہے در دیدہ کہنا کافی ہے اور اشک پر قایم کا اطلاق بھی غرابت سے خالی نہیں۔

شایق	رونق
ز دست عبد درم کے شود گہر ریزی	کمال یافتہ ناچیز از سیہ بختاں
ندیدہ ایم کہ بخشند ماہیاں گوہر	کہ کرد ظلمت شب فلس ماہیاں گوہر

رونق کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ ناچیز سیہ بختوں سے کمال حاصل کرتا ہے کیونکہ ظلمت شب نے فلس ماہی کو گوہر بنایا کہ وہ رات کے وقت موتیوں کی طرح چمکتے ہیں۔ شایق کہتے ہیں بندہ درم سے گہر ریزی نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ مچھلیوں نے کسی کو گوہر بخشا ہو "عبد درم" کی ترکیب ثقیل معلوم ہوتی ہے۔ عبد درم کا گوہر ریز ہونا کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ کیونکہ ان دونوں لفظوں میں بظاہر کوئی تلازم نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ اسکی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ عبد درم سے شاعر کی مراد اس مالدار سے ہے جو کنجوس بھی ہو۔ لیکن الفاظ کی ظاہری مناسبت جس پر شعر کے حسن و قبح کا بہت کچھ دار و مدار ہے بہر صورت مفقود ہے۔

اگر ہماری رائے صحیح ہے تو اس موازنہ سے ظاہر ہوا ہو گا کہ اکثر قافیے مضمون کے لحاظ سے رونق کے ہاں اگر زیادہ چست اور گرم نہیں بندھے ہیں تو کم از کم برابر تو ضرور رہیں۔ بندش کی

پختگی اور زبان کی صفائی کے لحاظ سے تو انکو اپنے ہمعصروں پر ہر طرح ترجیح حاصل ہے۔ اس کے بعد انکا یہ دعوی اپنے ہمعصروں کے مقابلہ میں نہیں کچھ بیجا نہیں معلوم ہوتا جو انھوں نے اپنی ایک غزل کے مقطع میں کیا ہے۔

بہ پختگی کلامت نمی رسد مگر ے | معاصران تو رونق خیال خام کنند

بہر حال اس بحث سے ہماری اُن خیالات کی تصدیق ضرور ہوتی ہے جو ہم نے شعرائے مدراس کے ذوق سخن کی نسبت، اس مضمون کے شروع میں ظاہر کئے ہیں! اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سخنوران مدراس کا وہ حلقہ جو غلام غوث خان کے زیر اثر تھا مذاق شاعری کے اعتبار سے رونق اور واصف کا مخالف تھا چونکہ یہ دونوں سوائے اہل زبان کے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور انکا مخالف گروہ بیدل اور ناصر علی پر جان دیتا تھا اس لئے یہ ان کو اور وہ اُن کو کم مانتے تھے اور اسی لئے گلزار اعظم میں، رونق و واصف کے حالات پڑھنے سے متعصبانہ تنقیص کی جھلک نظر آتی ہے۔ اخیر میں ہم رونق کے اُن اشعار کو جو بعد میں دستیاب ہوے اور دیوان میں درج نہیں کئے جاسکے درج ذیل کرتے ہوئے اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

اشعار منقول از محمد غوث خاں صاحب

طاؤس و ہزار و زغن و فاختہ نالد | لیکن نہ بدرد دل بیساختہ نالد
آہم چو ہوائی بہ ہوا تاختہ نالد | دل باختہ باید کہ بدل باختہ نالد

منقول از بیاض قدیم

تہ کشی از کفم اسے یار کنار دامن | کہ سر رشتہ رگ جانم شدہ تار دامن
نوبت افتاد بچاک جگر و سینہ و دل | شد تمام از کف این غمزہ کار دامن

بیبا

سوز دل در سینہ ام آتش زند | چون نشینم آہ پہلوئے کسے

جدید اضافہ

مضمون مسطورہ الصدر کاتب کو بغرض تحریر دیا گیا تھا کہ حالات رونق کے متعلق مزید معلومات حاصل ہوئے۔ جنکا اخیر میں منضم کر دینا نہایت ضروری ہے۔ مولوی مہدی واصف نے اُردو میں اپنی سوانح عمری لکھی تھی جس میں اپنے آباء و اجداد کے حالات بھی درج کئے تھے۔ یہ کتاب طغیانی رود موسی میں مولوی عبد الواجد صاحب کے پاس سے ضائع ہو گئی۔ حال میں اسکا

ایک ورق دستیاب ہوا جس کے ایک صفحہ پر رونق کا نا تمام حال لکھا ہوا تھا چونکہ اس سے بعض نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں اس لئے مناسب ہے کہ یہ کل صفحہ ذیل میں بجنسہ نقل کر دیا جائے:۔

"...... جناب (رونق) اپنی فراغت کے عالم میں سخی اور فقیر دوست رہتے تھے۔ آخر سن پیری میں چند سال حیدر آباد میں مقیم رہے سلطان حسین خاں مرحوم کی سرکار میں اُنکا علاقہ تھا جب حیدر آباد سے بر داشتہ خاطر ہو کر بحکم حب الوطن من الایمان پھر وطن مالوف کو آئے اور نواب محمد غوث خان مرحوم کے شعرا میں داخل ہوئے ان ایام میں جناب رونق پر ضعیف پیری غالب تھا نواب مرحوم (دلنے) کمال اشتیاق سے نوکر رکھا۔ آخر چار سال کے بعد بیماری دق سے لاغر اور بیمار ہو کر ۱۲۹۱ھ ہجری میں رحلت فرمائی اور اپنے باپ کے پہلو میں کریم اللہ شاہ کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ عابد اور ذاکر اور اہل اللہ سے تھا (تھے) اور انھوں نے سید برہان الدین قادری سے بیعت بھی کی تھی۔ رمضان شریف میں تمام روزے رکھتے تھے۔ اور تلاوت قرآن شریف کی کیا کرتے تھے اور والدین کو اس کا اجر بخشتے تھے۔ حق تعالی ان کو بخشے اور ان کے حسنات کو زیادہ کرے آمین آمین جب اُن کا کچھ احوال لکھا گیا تو کچھ ان کے اشعار کا بھی لکھنا مناسب ہوا..............."

مولوی صاحب موصوف کے پاس سے رونق کے انتقال کی ایک تاریخ بھی دستیاب ہوئی ہے جو خان عالم خاں فاروق کی طبعزاد ہے وہ بھی ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

دم واپسیں عارف الدین رونق ۔۔۔ افوض امری الی اللہ بولے

یہی ہے گی تاریخ بخشایش اُن کی ۔۔۔ مجیب اُن کی اس عرض کے تئیں قبولے

آیہ شریف کے اعداد میں مجیب کے اعداد کا تدخلہ کرنے سے تاریخ نکل آتی ہے یعنی ۱۲۸۱ھ ہجری اس سن میں اور اوپر جو سن تحریر کیا گیا ہے اُس میں اختلاف ہے۔ لیکن قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۸۱ھ ہی صحیح ہے کیونکہ گلزار اعظم میں لکھا ہے ۱۲۷۶ھ میں وہ اخیر دفعہ مدراس گئے تھے۔ اور اوپر کی عبارت میں لکھا ہے کہ نواب غلام غوث خان کے پاس ملازم ہونے کے چار سال بعد وہ فوت ہوئے اس حساب سے ۱۲۸۰ھ ان کا سن رحلت ہونا چاہیئے لیکن ممکن ہے کہ چوتھے سال کے اخیر اور پانچویں سال کے آغاز میں ان کا انتقال ہوا ہو۔ اس توجیہ کے بعد فاروق کی تاریخ میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

عارف الدین خان رونق کی زبان پر رحلت کے وقت آیہ شریفہ "افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد" جاری تھی۔ تاریخ مذکورہ بالا میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔



بسم الله الرحمن الرحیم

شد از ثنای خالق کون و مکان ما
مانند شمع پرتو محفل زبان ما

افتاد بسکه شور محبت بجان ما
یک ناله وار همچو جرس شد دهان ما

بیتابی است آئینه پرداز حسن او
از ناله برفروخت رخ دلستان ما

افتاده ایم در رهش از جوش اشتیاق
از نقش ما پی ما گر بگیری نشان ما

در راه عشق ضبط نفس رهبری کند
باشد ز داغ دل جرس کاروان ما

شبنم بروی سبزه نباشد درین چمن
مهتاب اشک ریخت ز درد فغان ما

ذوق اسیری از عدم آورده ایم آه
از حلقه های دام بود آشیان ما

در آه و ناله بین اگرت خواهش گلست
صد جلوهٔ بهار بود در خزان ما

گر بی ادب شویم با غماض در گذر
در بیخودیست نرگس مستت ضمان ما

اینهم غنیمت است ازین دورچون صدف
پوشیده است نفع دگر در زیان ما

قدر کمال نیست درین دهر ای دریغ
رونق یتیم شد هنر اندر زمان ما

عکس چشمش دیدهٔ آهو کند پیمانه را
شوخی او لغزشِ مستان دهد میخانه را

گر گذر افتد ز راه ناز آن جانانه را
پرتو مهتاب پا انداز گردد خانه را

هوش را در بارگاه بیخودی بار نیست
سنگ طفلان دورباش عقل شد دیوانه را

بیخودیها عینکِ حسنِ رخ دلدار شد
پردهٔ چشمت هشیاری دل فرزانه را

رنج میباشد نصیب مردم صاحب کمال
تنگیها وقف پامالی نماید دانه را

هست در صحرا دل مجنون ما
آباد این ویرانه را

افسری رونق اگر پا در طریق عشق کن
حرز بازوی توکل همت مردانه را

بفردوس بین آری اگر آن سرو قامت را
ز خلخال تو بر پا می کند شور قیامت را

برفتن آوری از ناز گر آن سرو قامت را
غبار دامن رنگین کنی شور قیامت را

کجا در پیشگاهش ناتوانان را رسائیهاست
شفیع خویشتن سازم مگر اشک ندامت را

کشیدم جام می در محفل مستان خدا حافظ
شکست توبه دارد در بغل سنگ ملامت را

مدان زاهد مرا محروم از لطف گنه سوزش
که آوردم نیاز بارگاه او ندامت را

برآ از قید تن تا اختر بختت شود روشن
که دلق کهنه گر سوزی برد با خویش شامت را

مپرس انجام کارم جمله تقصیرم گنه کارم
سیه شد نامه‌ام رونق شناسم این علامت را

بود از دوری ساقی بخون غلطیدن مینا
ز موج می بود صد خار در پیراهن مینا

ببزم ما نه زنار است این در گردن مینا
به پیش قد ساقی حلقه میگردد تن مینا

بود قطع علایق عشرت افزای دل سالک
تهی گشتن ز می شد باعث خندیدن مینا

نمیگیرد ز کس منت پی زینت صفا مشرب
ز رنگ می سجاف سرخ شد بر دامن مینا

دو چیز از عالم اسباب عشرت انتخابم شد
ز می پر گشتن جام و تهی گردیدن مینا

صدای شور مستان پیش ساقی بر نمی خیزد
که میریزد نگاهش سرمه را بر شیون مینا

غنیمت میتوان دانست سامان مسرت را
مرا روشن شد این معنی ز قلقل کردن مینا

مرا با ساقی نازک دلی افتاد کار امشب
که داند پنبه را بار گران بر گردن مینا

دل پر شور مستان آورد در حیرتی او را
که مستی میفزاید عاقبت از شیون مینا

دلِ پرخون بود آئینه وارِ گلستانِ رونق
زرنگ می شگفت آخر بهارِ گلشنِ مینا

بسکه از جورِ فلک بارشِ سنگست اینجا
ناله و آه و فغان نغمهٔ چنگست اینجا
حالِ سرگشته دلا از تو چه پرسی زاہد
سایهٔ سرو چو مارے بنظر می آید
سیرِ دریا نتوان کرد که بی ماه رخے
شبِ ہجران ترا کیفیتے می باشد
بیخودی وادیِ خونخوار بود عاشق را
خامشی کشورِ جمعیتِ دلہا باشد

سیلِ خونِ دلِ ما گردشِ رنگست اینجا
میزبانیِ غمت راچه درنگست اینجا
عینِ آسایشِ ما گردشِ رنگست اینجا
ہر رگِ گل به تنم زخمِ خدنگست اینجا
موجهٔ آبِ روان کامِ نهنگست اینجا
ناله و آه صدای دف و چنگست اینجا
ہر قدم راه پر از کامِ نهنگست اینجا
که زواکردنِ لب سازِ خدنگست اینجا

بردرم جلوه غزالی دلم از کف رونق
شوخیِ برقِ روان رفتن لنگست اینجا

صفای شعرِ من چند رسی ہد نازکِ خیالی را
اگر آرم بتحریر اندکے آشفته حالی را
شبِ ہجرِ تو ای مهروی من از آتشِ آہے

نماید فکرم از شرم آبِ دیوانِ زلالی را
ز آبِ گریه ساقی پر کند مینای خالی را
برنگِ رشتهٔ شمعی کنم تا رہنمائی را

چه پرسی از جفای گردشِ چرخِ ستم پرور
که آخر میکند با خاک یکسان طبعِ عالی را

ز جوشِ غم ندارم رغبتِ سیرِ گلستانی
ز آبِ گریه کم دانم شرابِ پرتگالی را

به پیشِ آن تغافل پیشه گر طرحِ فغان سازم
زبانِ نوحه پیدا میشود تصویرِ قالی را

کجا رونق بقیدِ وضعِ عالم مبتلا گردد
که کاری نیست با اسبابِ رندِ لاابالی را

چه الفت هاست باهم خاطرِ شیدا و هامون را
ز تارِ جاده در پا افگند زنجیرِ مجنون را

بزیرِ خاک طوفانهاست سیلِ چشمِ پرخون را
چسان سازم جدا از خویشتن این بختِ واژون را

ز نقشِ سمِ او دامی بپای آهوان افتد
بصحرای که شوخیهاش جولان داد گلگون را

هنرمندان ز دورِ سفله پرور مرگ میخواهند
غمِ این دهر اندر خاک افگنده فلاطون را

مشو غافل ز پیچ و تابِ سیلِ گریهٔ عاشق
در آبِ اشکِ خود پنهان نمودم سیلِ جیحون را

بجز سنگین دلی تحصیلِ زر ممکن نمی باشد
نشانِ سنگِ خارا میشناسم گنجِ قارون را

رخش با مارِ زلفِ او ببازیهاست حیرانم
که با این سادگی رونق کجا آموخت افسون را

دیده باز است براهِ تو شهیدانِ ترا
چقدر ناز بود سروِ خرامانِ ترا

چه اثرهاست بدل ناوکِ مژگانِ ترا
بخراشد جگر از شوقِ شهیدانِ ترا

پشت پای است تمنای دل مشتاقم — مفت از کف ندهم دوره دامان ترا
آتش افتاد بجانم چو شرار کاغذ — دیده ام دوش چو بر روی عرق افشان ترا
شوکت پادشهان را بنظر کی آرد — هست سامان دگر بی سر و سامان ترا
در پس پردهٔ قهر تو بود لطف نهان — می شناسم بنظر خندهٔ پنهان ترا
مایهٔ دین و دل هر دو جهان است نثار — رخ تابان ترا زلف زر افشان ترا
رنگ روی تو فزاید ز سرشک گلگون — چشم خونبار دهد آب گلستان ترا

رونق از دولت دیدار نگردی محروم
هست تاثیر دگر ناله و افغان ترا

صرف بیداد می کنیم ترا — ناله ایجاد می کنیم ترا
بر درت کرده ایم منزل خویش — خانه آباد می کنیم ترا
گفت چون دید عاشق خود را — زود برباد می کنیم ترا
دست در دست دیگر و گوید — سخت ناشاد می کنیم ترا
گفت با من رقیب وی از مهر — خانه داماد می کنیم ترا
سینه کاوی من چو دید بگفت — رشک فرهاد می کنیم ترا

چون گرفتار دید رونق را

گفته

گفت آزادمی کیسم ترا

من دلداده و گرانی ها — چه قدر هاست سخت جانی ها
از سر کوی خودم نگذاشت — من بقربان بدگمانی ها
مدتی شد بهجر دخرسندم — بعد رنج است شادمانی ها
بر درش شد مقام از ضعفم — دائماً باد ناتوانی ها
بعد مرگ آمد و بجا کم کرد — از لب خویش گل فشانی ها
حرفی از دست خویش کن قلمی — نیست جمعیت از زبانی ها

غیر رونق زکس نمی آید
بندگی ها و جان فشانی ها

کرده ام گم زنگاهی رخ تابانی را — بحکم گرنکشم ناله و افغانی را
خاک هر چند نمودم دل نالانی را — نتوانست گرفتن سر دامانی را
شاید این بخت سیه کار بسامان برسد — دست در خواب زدم زلف پریشانی را
همچو یوسف شوی از حسن عزیز دلها — گر نوازی به نگه بی سروسامانی را
خاک صحرا همه گوهر شده بنگر چشمم — در غم اشک نهان ساخته نیسانی را
نتوانم که نگاهی برگ گل فکنم — من که در دیده نهم ناوک مژگانی را

شاخ گل مصرع رنگین تو رونق باشد
هست دیوان تو آئینه گلستانی را

دلا اگر طلبی عیش جاودانی را — مده بخاطر خود راه شادمانی را
نگاه او ز که آموخت دلستانی را — که پر عتاب کند خندهٔ نهانی را
بحرف خود دل آئینه میسپرد طوطی — ز لعل یار بیاموخت خوش زبانی را
تمام آه دلم بر فلک رسید ولی — کجا بخاک شود میل آسمانی را
رقیب غافل و چشم تو پرخمار بود — سزاست عاشق بیتاب پاسبانی را
باسمان تنک ظرف کشف راز مکن — فراخ حوصله جوید راز دانی را

بخوی زشت جهان اختلاط کن رونق
مثال آئینه یکسو بنه گرانی را

بگذر از خویش تماشای نگار است اینجا — در خزان جلوهٔ صد رنگ بهار است اینجا
ره عشق است و بدردی سر کار است اینجا — نشئهٔ باده بقربان خمار است اینجا
میتوان شد بخیال رخ او عشرت یاب — رهزن ما دل بی‌صبر و قرار است اینجا
در فراقت نتوان دید ز گلشن فرحت — رگ گل آئینهٔ نشتر خار است اینجا
لذت زخم محبت نرسد در اظهار — صد چمن خرمی و جان فگار است اینجا

شب وصل آمده غافل بنشستی رونق
صد گلستانِ تمنا به نثار است اینجا

دوش به لاله نگه در چمن افتاد مرا
مسی آلوده لبش آمده در یاد مرا

دهد از پرتوِ سیمای سبتی یاد مرا
سیر مهتاب باین رنگ خوش افتاد مرا

بر سر سینه کشم صورتِ زیبای کسی
نوکِ خار است بکف خامهٔ بهزاد مرا

ساقی از دستِ خودم داد می و بیخود کرد
رو نما شد مگر آسیب پریزاد مرا

لذتِ دام و گرفتاری دستش دگر است
جانبِ دست کشد الفتِ صیاد مرا

نیست چون من دگری جور کشِ ناز و عتاب
لب بافسوس گزی گر کنی آزاد مرا

میبرد لذتِ دشنام بسویش رونق
سوخت هرچند دلِ زار به بیداد مرا

راز ها گفت بچشم یار بسرگوشیها
سوختم سوختم از ذوقِ هم آغوشیها

صد خرد جلوه نما گشته ز بیهوشیها
در خمار است نهان لذتِ مینوشیها

بعد ازین پرسشِ حالِ دلِ زارم سازد
یاد ها جلوه پذیرد ز فراموشیها

دست در گردنِ خود میکشم از جوشِ ملال
چه قدر هاست مرا حسرتِ همدوشیها

جز ندامت نبود حاصلِ اسبابِ جهان
عرق از شرم کنی وقتِ گهر پوشیها

عیب را بسکه درین دَور ہمت گیرند | چون صدف شیوهٔ من گشت ہنرپوشیہا

شاد آخر شود از یاس دل من رونق
خنده باشد ثمرِ باغ الم جوشیہا

رنگ می افروزد از سیر چمن خوب مرا | آتشِ گل بادِ دامن گشت مجبوب مرا
خواستم از جامِ صہبا بی حجابی رو دہد | نشهٔ می شد نقابِ چہره محجوب مرا
مدعای دل چه خواہم از فلک کین جو کیش | در کفِ دیگر نہد از رشک مطلوب مرا
از ہجومِ غم فروزان شد دل سر گشته ام | گریه روشن مینماید چشمِ یعقوب مرا
بر دلِ حیران نماید دیده رقت بیشمار | طاقتِ دیدن نباشد صبرِ ایوب مرا
عرضِ حالِ بیقرارانش تغیر می دہد | پیچ و تاب افزون کند مینده چو مکتوب مرا

رونق اندر وصفِ زلفش میشود پیدا اگر
ہمچو بوی گل رسای شعرِ مرغوب مرا

سوخت دل شعلهٔ جدائیہا | گرد گل باغِ آشنائیہا
فرش رہ ایسیم و زان قدم محروم | داغ شد دل ز نارسائیہا
می شناسم یقین سلیمان را | گشت ذوق برہنه پائیہا
خسته خاطر شدم ہجر و کجاست | آن اداہا و دلربائیہا

کی برویت رسد بباغ گلی
بندهٔ تست خوشنمائیها

لاله پرداغ و سرو بی ثمر است
حیرت افزاست این خدائیها

چون گهر تا بقای هستی خویش
رونق ما و جبهه سائیها

شوخ گردست که چشمانِ ترا
تیز بنمود که مژگانِ ترا

داده ام از مژهٔ خون فشان
رنگِ گل دور رهٔ دامانِ ترا

رحم بر حالِ دلم میازد
هر که ببیند رخِ تابانِ ترا

از سیه بختیِ خود گردیدم
آئینه زلفِ پریشانِ ترا

مهرهٔ مارِ سیه میدانم
حلقهٔ گیسوی افشانِ ترا

لاله را نام که نافرمان است
بنده از دل شده فرمانِ ترا

حیف رونق که نشد هیچ اثر
چون جرسها دلِ نالانِ ترا

در جنونم شد مهیا آب و تاب از سنگها
بسته ام بر فرق صد لعلِ خوش آب از سنگها

از نگاهِ مستِ او ریزد شراب از سنگها
آید از فیضِ خرامِ او گلاب از سنگها

گر بزمِ میکشان آن سنگدل ساقی شود
نیست ممکن بشکند جامِ شراب از سنگها

صاف طینت را بود جمعیتِ دیگر برنج
بر سرِ دریا شود پیدا حباب از سنگها

راحتی دارد دل شیدا ز آفتهای دهر
در دماغ من فزاید جوشِ خواب از سنگها

شورش مجنون چه مستی ریختا اندر کوهسار
میرسد در گوش آواز رباب از سنگها

جلوه گاهِ آن پری در کعبه و بتخانه نیست
بر رخِ مطلوب آمد صد حجاب از سنگها

ناله را در شهر و صحرا یک اثر باشد مدام
میرسد از سوزِ دل بوی کباب از سنگها

رونق از رشکت دلِ سنگین او رقت کند
فصلِ باران مینماید جوش آب از سنگها

وحشتی همچو نسیم است ز گلزار مرا
آرزو سخت کشد جانبِ دلدار مرا

دیده ناسور شد از گریه گهروار مرا
چه قدر راست نگر حسرتِ دیدار مرا

دیدنِ آئینهٔ ساختهٔ سرشار مرا
برد از خود اثرِ نرگسِ پرکار مرا

سالها کرد فراقِ تو گرفتار مرا
میتوان کرد گهی شاد ز دیدار مرا

بیخود یهاست نگر سایه نشینِ خارش
سر کوے تو بود خانهٔ خمار مرا

آهوی دشت نگه کن که بگردم نه رسد
شوخیِ چشم کسی کرد گرفتار مرا

حرفِ حق گویم و اندیشه ندارم از کس
داد منصور خلافت بسرِ دار مرا

جوشش دگریه چو واشد نگهم بر رویش
سخت ناکام نمود است دل زار مرا

همچو آئینه تصویر که بر دوش برند
شد ز پای دگران صورت رفتار مرا

چتر زرین شهان تکیه به باد است ای دل
باغ فردوس بود سایهٔ دیوار مرا

دود آهم چو کمان حلقه زند سوی فلک
پیچ و تاب است ازان ابروی خمدار مرا

مست سرگشتگیم باعث جمعیت دل
گردش طالع من شد خط پرکار مرا

همچو نقش قدم آئینه حیرت بودم
وحشت آموخته رونق نگه یار مرا

جز هوای صنمی نیست بدل رونق هیچ
چون حباب است تهی خانه ز اغیار مرا

کرد شرمنده نگاهش مه کنعانی را
آتش افگند لبش لعل بدخشانی را

تا کجا ضبط کنی خندهٔ پنهانی را
از دل خون شده بردار پریشانی را

بندگی را ثمر روشنی دل باشد
سجدهٔ درگهش افروخته پیشانی را

جاه و اقبال جهان لایق رغبت نبود
تکیه بر باد بود تخت سلیمانی را

هست در چاره گری دوری زحمت مضمر
منع فیض است اثر پردهٔ بارانی را

نیست از دیدن آئینه گزیرش ای دل
از کف خود ندهی دامن حیرانی را

گریه را در دل زار است عجب کیفیت
عزتی شد بصدف قطرهٔ نیسانی را

نیست وحشت زدگان را بکسی میل سخن
ور دل از شهر ملالی است بیابانی را

بسکه از شرمِ رخت ریخته شد رنگِ چمن
برگِ گل آئینهٔ شد کشتیِ طوفانی را

زود بگذر ز سرِ خاکِ شهیدان ترسم
چشمِ زخم است اثر دیدهٔ قربانی را

همزبانی چو نیامد بنظر رونق زار
یکطرف کرد ز دل میلِ سخندانی را

رام میخواهی اگر آن بتِ هرجائی را
یکدم از دست مده عالمِ تنهائی را

کن گوارا بدل غم زده رسوائی را
دامن از گل شده لبریز شکیبائی را

خوبرو هستی و عالم همه خوبت گویند
زشتیِ خو نه سزد شهرتِ زیبائی را

زود برباد رود خاک چو گردید بلند
بندگی محو کند حشمتِ دارائی را

جورِ افلاک نگر کارِ مرا داژون کرد
سرمهٔ ام تیره کند دیدهٔ بینائی را

سختیِ طینتِ میناست نگر دشمنِ وی
بشکند سنگدلی گنبدِ مینائی را

جهل از بسکه بود عام درین دورِ خراب
هر خری داشته دعوای مسیحائی را

مشکل اینست که همجنس شود دشمنِ من
گر ز دل دور کنم صورتِ خارائی را

همچو آن طوطیِ خوشگو که بدامش آرند
کرده ام دشمنِ خود رونق دانائی را

صبحِ بهار موج زند از قفاے ما
چون گل شگفتگیست بچاکِ قباے ما

رفتند در زمین همه خوبانِ دلفریب
بی موجی بجاک نه غلطد گدای ما

در دم زدن فناست طلسم بنای خاک
کم فرصت از حباب نماید بقای ما

رفتیم زین جهان و دلی را گذاشتیم
این بهترین خلف به نشیند بجای ما

در وادیِ مصیبتِ عشق بتان نگر
از در دِ چشم آبله گرید بپای ما

عکسِ رخش در آئینۂ دل نهان بود
خورشید آشکار شود از صفای ما

رونق تمام عمر بہجران گذشت وآه
یکدم بسر نیامده با مه لقای ما

بر سرم کی افگند آن شوخ جانان سایه را*
گر بپاس زرکند سروِ چراغان سایه را

طبع آزادان شود وارسته از بندِ خطر
در گذشتن آتش و آب است یکسان سایه را

از غمِ ہجران نگشتی سایه آسا ناتوان
بر زلیخا گر فگندی ماهِ کنعان سایه را

صحبتِ روشندلان اکسیرِ قلبِ عیب‌هاست
چون شعاعِ مهر سازد دُرِّ غلطان سایه را

سبز رنگ آن شوخ گل پوشم چو آید سوی باغ
میکند گویا برنگِ شاخِ ریحان سایه را

اختلاط ظالمان دارد خلشها بیشتر
بیحلاوت میکند خار مغیلان سایه را

* یہہ اور اسکے بعد کی غزل اصل نسخہ مین درج نہین تہی تذکرۂ صبح وطن مولفۂ نواب غلام غوث خان اعظم سے نقل کیگئی ہے ۱۲

یابد آسایش بزلف او دلِ مشتاقِ وصل
بیشتر جویند رونق تشنہ کاماں سایہ را

مستِ نازم افگند گر بر گلستان سایہ را
چشم ہر کیفیتش کند مثل خمستان سایہ را

سرو قد خویش را چون جلوہ بخشد در نظر
آن کہ پنہان میکند از دورِ داماں سایہ را

در بیابان ہمسری با کوہ دارد حیرت است
بر لبِ دریا نسیمی کرد لرزان سایہ را

میکند افتادگی آزاد از بندِ خطر
شیر با این رعب کی سازد ہراسان سایہ را

خاکساری خضرِ راہ او مگر گردیدہ است
نیست در صحرا نوردی بیم نسیان سایہ را

وردِ نامت را چو رونق حرزِ جان دارم مدام
بر سرش پیوستہ نہ یا شاہِ جیلان سایہ را

دل*بغم ساز کردہٴ ما را
نالہ غما ز کردہٴ ما را

شب کہ دمساز کردہٴ ما را
محرمِ راز کردہٴ ما را

سحر این ناز چہ نام نہیم
نظر انداز کردہٴ ما را

ای دلِ زار چون جرس بفغان
ہمہ آواز کردہٴ ما را

مرحبا حسنِ بی نقابِ ازل
پردہ را ز کردہٴ ما را

*یہ غزل تذکرۂ معدن الجواہر مؤلفۂ مولوی مہدی واصف سے نقل کیگئی ۱۲

تماشائی شود آئینهٔ حسن بیحجابش را
کتان شد پرده های چشم عاشق ماهتابش را

محال است این که در عشقش دل و دینم بجا ماند
که باشد نشه از موج جنون جام شرابش را

بصحرای مرا افگند چشم عشوه ساز او
که از خاک شهیدان رنگ می باشد سرابش را

خمار آلوده چشمی میشود غارتگر هوشم
که شد گهواره جنبان فتنهٔ بیدار خوابش را

ز دستم میبرد دل شهسوار برق جولانی
که از مژگان آهو داد والی شد رکابش را

بیک آهنگ دلکش مطرب مستان برد هوشم
اگر از ناله و آهسته آهنگی ربابش را

دل وارسته از اندوه و غم یارب که دید اینجا
چو پیدا گشت طفلی از الم آهی کشید اینجا

چه مشغولی بسیر باغ و ریحان و گل و نسرین
بیا ای شوخ از خون دلم گلشن دمید اینجا

کلید گنج معنی ساختی یارب زبانم را
ز یاقوت سخن رشک بدخشان کن دهانم را

شود گر گوش اسرافیل هم از شور فریادم
تغافل های او کرد این قدر را فزون فغانم را

احوال تیره بختی ما را ز ما مپرس
خال رخ تو آئینه دار نشان ما

آواره گرد وادی عشقیم چون غبار
جز دامن نگار نباشد امان ما

یابد آسایش بزلفِ او دلِ مشتاقِ وصل
بیشتر جویند رونق تشنه کامان سایه را

مستِ نازم افگند گر بر گلستان سایه را
چشم هر کیفش کند مثل خمستان سایه را

سرو قد خویش را چون جلوه بخشد در نظر
آن که پنهان میکند از دورِ داماں سایه را

در بیابان همسری با کوه دارد حیرت است
برلبِ دریا نسیمی کرد لرزان سایه را

میکند افتادگی آزاد از بندِ خطر
شیر با این رعب کی سازد هراسان سایه را

خاکساری خضر راه او مگر گردیده است
نیست در صحرا نوردی بیم نسیان سایه را

وردِ نامت را چو رونق حرزِ جان دارد دوام
بر سرش پیوسته نه یا شاهِ جیلاں سایه را

دل بغم ساز کردهٔ ما را*
نالهٔ غماز کردهٔ ما را

شب که دمساز کردهٔ ما را
محرم راز کردهٔ ما را

سحر این ناز چه نام نهیم
نظر انداز کردهٔ ما را

ای دلِ زار چون جرس بفغان
همه آواز کردهٔ ما را

مرحبا حسن بی نقابِ ازل
پرده را ز کردهٔ ما را

*یہہ غزل تذکرہ معدن الجواہر مولفہ مولوی مہدی واصف سے نقل کیگئی ۱۲

تماشائی شود آیینهٔ حسن بیحجابش را | کتان شد پرده‌های چشم عاشق ماهتابش را
محال است اینکه در عشقش دل و دینم بجا ماند | که باشد نشئه از موج جنون جام شرابش را
بصحرای مرا افگند چشم عشوه‌ساز او | که از خاک شهیدان رنگ می‌باشد سرابش را
خمار آلوده چشمی میشود غارتگر هوشم | که شد گهوارهٔ جنبان فتنهٔ بیدار خوابش را
ز دستم میبرد دل شهسوار برق جولانی | که از مژگان آهو داد والی شد رکابش را
بیک آهنگ دلکش مطرب مستان دهد هوشم | اگر از ناله واهست آهنگی ربابش را

دل وارسته از اندوه و غم یارب که دید اینجا | چو پیدا گشت طفلی از الم آهی کشید اینجا
چه مشغولی بسیر باغ و ریحان و گل و نسرین | بیا ای شوخ از خون دلم گلشن دمید اینجا

کلید گنج معنی ساختی یارب زبانم را | زیاقوت سخن رشک بدخشان کن دهانم را
شود کر گوش اسرافیل هم از شور فریادم | تغافلهای او کرد این قدر افزون فغانم را

احوال تیره بختی ما را ز ما مپرس | خال رخ تو آینه دار نشان ما
آواره گرد وادی عشقیم چون غبار | جز دامن نگار نباشد امان ما

*بعدِ قتلم آن ستمگر بیوفای سنگدل
پا نهد بر سینه و گوید که دشمن زیرِ پا
نیست کس در جانگدازی مثلِ آن ثابت قدم
شمع میداند که آخر هست مدفن زیرِ پا

بصحرای جنون لب تشنه ام آبی نمی خواهم
لبِ خشک مرا سیراب میسازد سرابِ اینجا

ردیف بار

نمیدانم چرا شد زرد رنگِ ماهتاب امشب
مگر آمد بگلشن شمعِ رویش بیحجاب امشب
بتاثیرِ نگاهِ چشمِ مستِ آتشین خوئی
ز هر اشکم بطغیانیست صد بحرِ شراب امشب
رواج از بس گرفت از دورِ چشمش نشه ایجادش
که ریشِ خویش را ازمی کند زاهد خضاب امشب
مگر افتاد عکسِ شوخیِ مژگانِ گیرایش
که باشد ماه چون گرداب اندر اضطراب امشب

صریرِ کلکِ رونق واکند گلهای معنی را
معطر شد مدادِ خامهٔ او چون گلاب امشب

نازم برفعت دلِ دیوانهٔ حباب
بر بامِ بحر یافت بنا خانهٔ حباب
آئینهٔ فلک شده خمخانهٔ حباب
جامِ جهان نما شده پیمانهٔ حباب
افتاد عکسِ عارضِ نیرنگ او مگر
طاوسِ جلوه گاه شده پیمانهٔ حباب

* منقول از تذکرهٔ گلزارِ اعظم ۱۲

ز دلپشت پا بگو هر و سر ما بهای گنج
شرمنده ام ز همت مردانهٔ حباب

چون دل تهی ز غیر شود جلوه گاه اوست
مملو شد از محیط از آن خانهٔ حباب

هر گاه وصف لعل دُر افشان یار کرد
شد رشته دار لعل و گهر دانهٔ حباب

رونق دلم گرفت بصحرا و بعد ازین
آرم بدست گوشهٔ ویرانهٔ حباب

عکس آن لعل شراب آلوده افتد گر در آب
جای نیلوفر دمد دایم گل احمر در آب

گریه چون آید ترا از ناله ها پرهیز کن
میشود ضبط نفس غواص را رهبر در آب

پرتوی افگند شاید بر رخ مه دار او
پیچ و تاب موج دریا گشت چون خنجر در آب

هر که پاس آبرو دارد دنیا میزد به خلق
غرق گردید ستا زین باعث مگر گوهر در آب

گر نگاه مست او بر ساحل دریا فتد
پر زمی گردد صدفها جمله چون ساغر در آب

زعفرانی پوشش من گر جانب دریا رود
میشود دیگر حبابش چون گل اصفر در آب

کی رود بر باد شور ناله های عندلیب
گوش ما شد گل پی سمع صدای عندلیب

بسکه مملو شد چمن از ناله های عندلیب
از هبوب بوی گل آید نوای عندلیب

در حقیقت ناز معشوقی نیاز عاشقی ست
در گلستان بین گل هست و پای عندلیب

عشق در آغوشِ خود سرسبز دارد حسن را
گل سریر آراست از فیضِ هوای عندلیب

ارتباط از بسکه میدارند باهم درمیان
آشیانی ساخت گل خود را برای عندلیب

نالهٔ عاشق کند غمخواریِ جانِ حزین
نیست غیر از آه و زاری آشنای عندلیب

سلکِ گوهر بسراپاے نگارین امشب
میدهد جلوهٔ مهر و مه و پروین امشب

خون گل میکند از سیل سرشکم طوفان
دیده ام دیده بخواب آن کفِ رنگین امشب

رشته دارِ رگِ گل گشت سراپای تنم
بهم آغوشیِ آن ساعدِ زرّین امشب

بهرِ پابوسِ تو ای غارتِ آرام حزین
پردهٔ دیده نهادم بچه آئین امشب

همچو برفست برودت همه تاثیر در آب
سرد مهری فلک ریخت طباشیر در آب

تیغِ ابروی کسی کرد چه تاثیر در آب
جنبشِ موج بود جوهرِ شمشیر در آب

نظرش را بدل زار عجب کیفیتی هست
میشود طرفه تماشا چو فتد تیر در آب

بودوشش از خجلت آهِ دلِ محزونِ کسی
کهکشان گم بفلک گشت چو زنجیر در آب

ردیف تاء

کفِ حنائیِ او ساغرِ شراب گرفت / می از بهارِ کفش طرفه آب و تاب گرفت

صبا بصحنِ چمن از رخش نقاب گرفت / تمام روی زمین را به ماهتاب گرفت

چو دید ریزشِ اشکم بدامن گلشن / سحاب را عرقِ خجلتش در آب گرفت

ز آهِ سرد مرا ذوقِ بربط و چنگ است / دلم ز نالهٔ خود عشرتِ رباب گرفت

بفصلِ پیری خود دل چو عشق او ورزید / ز سبز رنگِ خطش نسخهٔ خضاب گرفت

حنای پنجهٔ او ریخت خون بساغر من / ز دستِ یار دلم لذت شراب گرفت

نگر ز سینه دلم برد و زد ز غمزهٔ او / که طفلِ اشک بدنبالِ او شتاب گرفت

ز رنجِ گردشِ لیل و نهار یافت نجات
چو رونق آنکه بدل انس از کتاب گرفت

تا بپای تو حنا رنگِ قدمبوسی ریخت / تختِ دل خون شد و از چشم زمایوسی ریخت

مسی آلوده لبِ یار چو آمد به خیال / پرتوِ شمع بکاشانهٔ ما طوسی ریخت

رفت بر بادِ فنا شورشِ این دیر خراب / عاقبت سرمه بکام و لب ناقوسی ریخت

بسکه از داغ تو سر تا قدمم لبریز است / اشکِ من آبِ رخِ گلشنِ طاوسی ریخت

زده دنبالهٔ چشمش بدل من شبخون / حیف کین فتنه از این گوشهٔ جاسوسی ریخت

با گران کاری سبکسار نیفتد که هلال / بر فلک پیکرِ حمالیِ معکوسی ریخت

نظم

عشق زان آتشِ جان سوز که پنهان میداشت — شرری بود که بر صبرِ دلِ موسی ریخت
جادهٔ دنیا سپرِ تیرِ قضا کے گردد — عاقبت فوجِ اجل بر سرِ کاوسی ریخت

شمعِ رخسار درآمد چو به محفل رونق
طرحِ مینا پئے پروانهٔ فانوسی ریخت

درخونِ دلم تا زده آن سیم تن انگشت — دارد چمن از غنچهٔ گل در دهن انگشت
ازبسکه بود محوِ تحیّر ز رخت شمع — چون خار ز حیرت شده یکسر بدن انگشت
سرمایهٔ بخت ترا شهرتِ آفاق — دارد ز ندامت مهٔ نو در دهن انگشت
تا برد صبا نکهتِ زلفت زده از رشک — در دیده ز مو نافهٔ مشکِ ختن انگشت
تا ریختهٔ رنگِ خرامِ قدِ رعنا — هر جادهٔ باغ است بچشمِ چمن انگشت
تا رنگِ سخن ریخته لعلِ تو به محفل — بر چشم ز رگ داشت عقیقِ یمن انگشت

برگشتنِ رونق پئے اثباتِ شهادت
گردیده بدامانِ تو هر پرشکن انگشت

برنگِ کاغذِ رنگین دماغم تازه و خشک است — بسانِ لالهٔ گلزار داغم تازه و خشک است
نگر بر مست گرم از آتشِ رخسارهٔ ساقی — که همچون ماهتاب امشب ایاغم تازه و خشک است
بشب از حسرتِ لبهای آن دلدار گریانم — بیادِ لعلِ رنگینش چراغم تازه و خشک است

بود ویرانهٔ دل از خیالش نزهت آبادی
که مانندِ فضای چرخ را غم تازه و خشکست

رخ نیرنگِ جانان تا بچشم آمده رونق
برنگِ دیده سرشار باغم تازه و خشکست

عاشقان را نه فقط طالعِ ناساز بلاست
دل بلا دیده بلا گریه بلا راز بلاست

غمزه از یک طرف آراسته فوجِ خونریز
نه همین عشوهٔ آن دلبرِ طناز بلاست

خامشی پیشهٔ خود ساز که مانندِ حباب
اندرین بحرِ فنا جنبشِ آواز بلاست

همچو سایه برهِ عشق زمین گیر برو
که درین وادیِ آتش زده پرواز بلاست

مطربِ باده کشان دُدِ دلِ زاهد را
شوخیِ نغمهٔ بلا دم کشیِ ساز بلاست

صلح و جنگست ز حرفِ تو عیان در دلِ من
سخنِ تند بلاست معنیِ انداز بلاست

شد برون از دلِ رونق هوسِ نقش و نگار
همچو طاؤس بخود زینت و پرواز بلاست

پیرهن تا به قدش طرحِ هم آغوشی ریخت
خارِ حسرت بدلِ گل ز الم جوشی ریخت

گلِ خورشید هوس کرد که جامش گردد
تا بگلشن بدمش الفتِ مینوشی ریخت

دل تاسف بَرَد از کم شدنِ قطرهٔ اشک
همچو آن کیسهٔ گوهر که ز بیهوشی ریخت

فلک از کاهکشان رشتهٔ گل می آرد
تا بجا طربتِ من حسرتِ گلپوشی ریخت

ظرفِ زاهد اثرِ حوصلهٔ نشه نداشت	جامِ می از کفِ ساقی بفراموشی ریخت
بیشتر گشت تغافل بنگاهِ شوخت	دُرِ گوشِ تو چه اسرار بسرگوشی ریخت

الفت آمد بجهان باعثِ زحمت رونق
شاخِ گل در چمن از آفتِ همدوشی ریخت

بیصرفه زغفلت بکفِ پای تو خار است	در پردهٔ گل چون نگری جلوهٔ یار است
دریا و تو هر ذره بخورشید دوچار است	چون دنگرم غنچه دل و جان بهار است
از غیرت بیسند چو دفاسوی من آمد	ناخن زن طاقت دلِ بیصبر قرار است
اندیشهٔ نظاره زکس نیست رخت را	حیرت زدهٔ حسنِ ترا دیده فگار است
از منتِ پیراهن و اسباب چه پرسی	مو بر تنِ آراستهٔ دنیا همه بار است
زاهد تو وگلزار نعیم و من و آهی	اینجا بدل خون شده غم سرد کار است
برباد شوی گر بروی از وطنِ خویش	اندیشهٔ پرواز بلای بشرار است
چون عاملِ معزول که در بند نشیند	برداشت سری هرکه بعالم همه خوار است

در دامِ محبت همه عالم شده پابند
رونق دلِ آنشوخ چه پامالِ بشکار است

شهیدِ نازِ ترا یک جهان تماشائیست	بجبر نیم که حسنِ ترا چه زیبائیست

نگاهِ شوخ ترا بسکه جوشِ رعنائیست
دل آب شد بغم و مایلِ شکیبائیست

مجوی صحبتِ کس گر فراغتی خواهی
که راحتِ دو جهان در لباسِ تنهائیست

چو شمع داغِ دلم پرتوی همی گیرد
نگارِ ماهِ رُخِ من بمحفل آرائیست

نگفتمت که دلِ ناتوان بدست آری
شنیدنِ سخنِ دوستان ز دانائیست

بگرد و پیش دود خلق همرهِ مجنون
نگر بدیدهٔ دل عزتی برسوائیست

بفیضِ حضرتِ آگاه کلکِ ما رونق
بگلزمینِ سخن در بهار پیرائیست

بدورِ ماهِ رخانم چه مشکل افتاد است
که رفت دل ز کف و خواهشِ دل افتاد است

نگاهِ شوخِ تو از بسکه قاتل افتاد است
بهر کجا که ببینیم بسمل افتاد است

بهر کجا که رود از نیاز عاشقِ او (معشوق ۱۲)
چو سایه در قدمش تا بمنزل افتاد است

غبار را نبود این قدر رسائی ها
نگاهِ قیس بدنبالِ محمل افتاد است

چگونه باد صبا بر زمین نیندازد
که در چمن برخت گل مقابل افتاد است

که رفت بهر تماشای آب دریا را
ز شوقِ دیدنِ او سر بساحل افتاد است

بدستِ توگلِ زخم آرزوست رونق را
بگردنِ تو چو بارِ حمایل افتاد است

یک جلوه میتوان کرد بتخانه التماسی است
نازی صنم بچشمت مستانه التماسی است

در بزم باده نوشان بی روی دلفریبت
مینا گریه آمد پیمانه التماسی است

از زلف پیچ در پیچ زنجیر کن بپایش
ای نازنین ستم جو دیوانه التماسی است

در شهر نیست وسعت یک آه نارسا را
ای ناله شعله برکش ویرانه التماسی است

برچاک دل نظر کن از مدتی به پیشت
از جوش بیقراری این شانه التماسی است

ازبسکه آب دارد دریادل پریرو
با اشک بیقرارم دردانه التماسی است

رونق بمحفل آمد آن شعله روی سرکش
با آهِ آتشینم پروانه التماسی است

رغبتی گر نه ز مژگان دلازاری هست
در دل از رشتهٔ انفاس چه خاری هست

در عدم نیز بخاطر هوسِ یاری هست
بدل خون شده ام میل جفا کاری هست

ناله آهسته کنم رحم مرا سی آید
که درین سینهٔ زارم دل بیماری هست

سخنِ تند چرا هست نگاهت کافی
عشوه کن اگرت خواهشِ پیکاری هست

اشک در دیده ام آئینه صفت شد حیران
چقدر رها بدلم حسرتِ دیداری هست

از شعاع است چرا رشته زنجیر به پا
گر نه خورشید لعشقِ تو گرفتاری هست

ششجهت جلوهٔ روی تو دهد دیده کجا
ورنه صحرا همه دریای تو گلزاری هست

حالِ دستار چه پرسی بفراقِ دلدار | سرِ ما همچو گهر بر تنِ ما باری هست

رونق آید بنظر تختِ شهی چون سنگم
چترِ مشکین بسرم سایهٔ دیواری هست

بسکه نازش بارِ غمها بر دلِ شیدا گذاشت | ناتوانی در رهش ما را چو نقشِ پا گذاشت
آن شکار افگن قدم در عرصهٔ صحرا گذاشت | بیکسی در وادیِ تنهائیم تنها گذاشت
سوزِ دلهای پریشان را اثر باقی بود | یادگار آتشی قمرها در خارا گذاشت
دیگران را کامِ فردا داد امروز از کرم | عرضِ امروزِ من بیتابِ فردا گذاشت
از زمین تا آسمان یک حلقهٔ دامست و بس | از جفای دورِ گیتی نیست کس را وا گذاشت
الفتِ صیاد می آرد مرا در دامِ او | بار ها هرچند از اغماض بند از پا گذاشت
گفتمش از شورشِ مستان دماغم میرود | عشوه در کار برد و پنبه بر مینا گذاشت
داد اهلِ بزم را جامِ مکرر ساقیم | چون بمن افتاد نوبت ساغرِ صهبا گذاشت

وحشتِ مجنون بود رونق بصحرا تا بحشر
چشم پوشید و بجای خویش آهو را گذاشت

انفعالِ بیکسی هایم تماشا کردنی است | مایهٔ صیدِ دو عالم را اهیا کردنی است
حلقه های زلف را جانان گرو اکردنی است | بوی مشک نافه را بسیار رسوا کردنی است

رفته در ویرانه درد انتظارش میکشیم
عرض حال دل مرا با دوست تنها کردنی است

دست اندر حلقهٔ زلفش زنم امشب بشوق
نشئهٔ دیوانگی ها را دوبالا کردنی است

تا شود آگاه از کیفیت نازک دلان
سنگ دلهای بتان را همچو مینا کردنی است

زاهد افسرده را کی ره توان بردن ز خویش
آن نگار نازنین را محفل آرا کردنی است

نیست اندر عاشقانت اندکی بوی وفا
باز مجنون را بخاکش رفته احیا کردنی است

گر تماشا مینمائی چاک گل ها را بباغ
دلبر طاقت ربا را جامه زیبا کردنی است

نیست در عشق بتان رونق بجز ناکامئی
الفتی با ظالمان خون تمنا کردنی است

دیده ام حسن پریشانی بسامان گل است
در گلستان دست چاکی هست دامان گل است

گر متاع بخت دل خواهی بدوکان گل است
لاله اندر باغ آتشهای افغان گل است

آه روشن دل کجا با تیرگی مایل شود
بر فلک رنگ شفق دود چراغان گل است

یک نفس باشد بقالب عاشق و معشوق را
در حقیقت ناله های بلبلان جان گل است

سینه چاکان عدم را شورشی باشد مدام
غنچه در صحن چمن گرداب طوفان گل است

گرم جوشیهای ایشان را نباشد فرصتی
گل بود مهمان باغ و رنگ مهمان گل است

باغ را چون بنگرم یک دیدهٔ حیرت بود
گل بخود حیران و شبنم نیز حیران گل است

دیدنِ گل عاشقان را یادِ رویت میدهد | بر دلِ زارم بهجرانِ تو احسانِ گل است

میشود رونق هجومِ بلبلان چون بوی گل
آهِ ما در یادِ رخسارش ز خویشانِ گل است

دوش در محفلِ او آهِ شرربارم سوخت | آب هرچند شدم جوششِ دلدارم سوخت
در برم آمد و از گرمیِ بسیارم سوخت | از فلک شکوه ندارم که دلِ زارم سوخت
سوختن را بدلم منتِ دیگر باشد | راحتی هست که آن یار جفاکارم سوخت
گر بهجرانِ تو سوزم نبود هیچ عجب | مشکل اینست نگر لذتِ دیدارم سوخت
سالها شد که بدروازهٔ باغم محروم | باغبان رحم دل از حسرتِ گلزارم سوخت
آتشِ دل نشود گاه بتسکین مایل | چون نشستم بدرش سایهٔ دیوارم سوخت

حیرتِ حسن چه نیرنگ نماید که چو شمع
نشدم آگه در رونق همه دستارم سوخت

تا ز فکرش بخاطر اندوهگین نشست | گردم بدامنِ فلکِ هفتمین نشست
تا حسرتِ لبش بدلِ انگبین نشست | چون شمع سوخت ز آتشِ رشک و حزین نشست
افروخت تا عذارِ تو شمعِ بهار را | پروانه گشت مهر و بگردش قرین نشست

*در فراقم نه هوای چمنی در کار است
خلوتی - جام می گلبدنی در کار است

در فن عشق به تعطیل نمی باید زیست
دلبری گر نبود دلشکنی در کار است

در فراغت بفراست تن عریان پوشی
بنگر از غور که آخر کفنی در کار است

ردیف ثاء

مایل الفت او شد دل ناشاد عبث
آنکه صد بنده بهر دم کند آزاد عبث

بانگاه غضبت خنجر جلاد عبث
پیش موی مژه ام خامه بهزاد عبث

کاش بر صفحهٔ دل صورت شیرین بستی
بر سر سنگ تو و محنت فرهاد عبث

(الضاً)

بیوفا هستی و عالم همه نالان تو اند
در دل من هوس عشق تو افتاد عبث

نیست جز دیدهٔ تر لذت کوثر حاصل
چند ای شیخ کشی زحمت اوراد عبث

میتوان از نگهی کار مرا آخر کرد
بر من زار کنی این همه بیداد عبث

نیست رونق اثری در دل سنگینش هیچ
میکنی بهر چه شبها همه فریاد عبث

میشود آئینه همزانو بجانان الغیاث
شانه شد گستاخ با زلف پریشان الغیاث

* معدن الجواہر سے نقل کیگئی ۱۲

می طپد دل در برم از درد هجران الغیاث
جز امید وصل تو هیچ درمان الغیاث

آستین در دست دیگر میرود خندان بناز
میکشد از دست این آواره دامان الغیاث

سوی من چون بنگرد چین بر جبین خود زند
میشود خرم بدیدار رقیبان الغیاث

گل پریشان لاله پرخون سرو در حیرت بود
یکدل خرم نباشد در گلستان الغیاث

میرسد صد فصل گل بر باد من در حیرتم
تا بکی باشد سرم اندر گریبان الغیاث

نیست جز فریاد رونق چارهٔ درد دلم
هست جمعیت دهِ آشفته حالان الغیاث

ردیف جیم تازی

عارض روشن او نیست بافشان محتاج
صبح نوروز نباشد بچراغان محتاج

دل حیرت زده با گریه کجا پردازد
تشنه گلشن تصویر بباران محتاج

لب لعل تو چرا منت پان بردارد
آتش لاله نگردید بدامان محتاج

جام می نیست غرض شیفتهٔ چشم ترا
محو روی تو نگردد بگلستان محتاج

منعمان بهر گدا منت غیری کشند
بحر از بهر صدف گشت به نیسان محتاج

ساقیا ساغر لبریز بمن ده نشود
چشم گریان بسوی ابر بهاران محتاج

غنچه سان وا شود از خویش دل من رونق

عقدهٔ خاطرِ من نیست بیاران محتاج

بسکه شد اندر سرشتِ این گنبدِ دوّار کج
خوبتر از راستی گردد ز وضع یار کج

کهکشان کج ماه کج عقرب کج و رفتار کج
چون گذارد بر سرِ خود طرّهٔ دستار کج

میشود کجرو بسوی راستی رهبر مدام
حلقه آید راست باشد گرچه در پرکار کج

کج کلاهی میکند بر مسندِ خود از غرور
بیشتر باشد ز بس رطینت زر دار کج

میشود دل محوِ عشقِ کج کلاهی امشبم
بر فلک پرواز کرده آهِ آتشبار کج

عشق را لازم بود پیوسته همرنگی حسن
میکند بلبل ز وضعِ شاخِ گل منقار کج

ظالم آخر میشود رونق خجل از جورِ خویش
میشود از در داند رپا خلیدن خار کج

ردیف جیم فارسی

تسکین نشد بگریه دلِ بیقرار هیچ
از سیلِ اشک هم نه نشست این غبار هیچ

خواهم یکی بناوکِ مژگانِ او زنم
دل راتهی زغم نکند نوکِ خار هیچ

دارم تأملی بچه تشبیه او دهم
شد زخم گل مقابلِ جانِ فگار هیچ

در باغِ این جهان بچه دل خوش کند کسی
گل هیچ غنچه هیچ خزان و بهار هیچ

سویم رسید یار و ندامت همی برم
جز دل نمانده است برای نثار هیچ

در بستن و شکستن آن طُرفگی بود
این توبه نیست چو پیمانِ یار هیچ

رونق بغیرِ آه نداریم ساز و برگ
جز سوزِ دل نماند متاعِ شرار هیچ

ردیف حاء

در فراقِ مهر رویش اشک ریزانم چو صبح
گل کند خورشید از چاکِ گریبانم چو صبح

زخمِ دل به شد ز موی زلف میساز د رفو
رشتهٔ خطِ شعاعی چاکِ دامانم چو صبح

شد دلِ من آنقدر روشن به فیضِ عشقِ یار
مظهرِ انوارِ آن خورشید تابانم چو صبح

ناتوانی مانعِ نظارهٔ رویش بود
دست و پا گم کردهٔ شوقِ گلستانم چو صبح

خواستم هرچند تا در پرده دارم سِرِّ خویش
از صفای دل عیان شد رازِ پنهانم چو صبح

نیست تاب و طاقتِ بیرون شدن از دامِ او
بستهٔ زنجیرِ آن زلفِ زرافشانم چو صبح

هر که می بیند مرا دل چاک میسازد بغم
نیست غیر از لختِ دل رونق بسامانم چو صبح

بدستِ خویش اگر گیری ای نگار قدح
شود ز روے تو آئینهٔ بهار قدح

بیا به محفلِ رندان بدست آر قدح
بانتظارِ تو گردید چشمِ زار قدح

کجا علاجِ فراقش به میکشی آید
به هجرِ دوست فزاید مرا خمار قدح

بیا به محفل ما زاهد اندکی دارد — برای غارت هوش تو انتظار قدح
بنوش ساغر می گر کدورتی داری — بفیض باده برداز دلت غبار قدح
دمیکه روی تو از باده بر فروزد رنگ — زجوش شوق کند خویش را نثار قدح

چه قسمت است مرا از ازل نگر رونق
بجای قطرهٔ می ریزدم شرار قدح

ردیف خاء

میتوان گشت بصد بار به جانان گستاخ — نتوان حرف زدن گه به رقیبان گستاخ
دسترس نیست چه سازم من بیچارهٔ غم — شانه گردید بآن زلف پریشان گستاخ
پشت پا میزند از ناز و عتاب آن شوخم — گر بگیرم برهش گوشهٔ دامان گستاخ
دور باش مژه گر مانع جرأت نشدی — چقدر میشدم افسوس بجانان گستاخ
بچه تدبیر در آغوش من آید آن شوخ — برخش وا نتوان کرد چو مژگان گستاخ
پیچ و تابی بدلش گر نشدی از من زار — میزدم دست بر آن کاکل پیچان گستاخ

گر رسد فصل بهار از سر عشرت رونق
میشوم باز بدلبر بگلستان گستاخ

زجوش نشئهٔ صهبا تراست چشمان سرخ — مرا ز قطرهٔ خوناب اشک مژگان سرخ

بخونِ دیدهٔ عشاق کرده رنگین
وگرنه این قدِ رعنا ز چه گشته دامان سرخ

چه رشک‌هاست بهم حسنِ خوب رویان را
که گشت رنگِ رخِ یار در گلستان سرخ

چگونه خون نشود در کفش دلِ عاشق
حنائی پنجهٔ او کرد گوی و چوگان سرخ

چگونه سرخ نگردد رخِ تو در خوبان
که تکمه سرخ قبا سرخ هم گریبان سرخ

ز تابِ روی تو خاموش گشت آتشِ آه
به پیشِ مهر کجا میشود چراغان سرخ

کدام شوخ دلت میبرد ز کف رونق
که باز دیدهٔ زارِ تو شد بهجران سرخ

ردیف دال

گر بمحفل صفتِ تیشهٔ فرهاد کنید
سینه چاکان ز سرِ ناخنِ ما یاد کنید

چون نگاهی بچمن بر گل و شمشاد کنید
از رخ و قامتِ دلجوی کسی یاد کنید

عاشقان گر بچمن خواهشِ گلگشت بود
لاله در باغ به بینید و دلی شاد کنید

گر بخاطر هوسِ بوسهٔ پایش باشد
خویش را در سرِ کویش همه بر باد کنید

بعدِ مدت دلِ ما مایلِ تصویر افتاد
ز دو موی مژه را خامهٔ بهزاد کنید

نامهٔ مرگ رسیدست ز درگاهِ عدم
چشم پوشیده بفرمانِ اجل صاد کنید

همچو رونق باسیری همه خرم باشید

در قفس نیز دعا در حقِ صیاد کنید

اگر بیداریِ بختِ تو زاهد یاور گردد
بسوی گوشهٔ میخانه ساقی رهبرت گردد

گوارا نیست بال افشانیِ نامحرمی پیشت
دلِ دیوانه‌ام اکنون سپندِ مجمرت گردد

نمایم تختهٔ یاقوت صحنِ آستانت را
که بال افشانیِ دلهای پرخون باورت گردد

غرورِ جاهِ دنیا نیست شایانِ قوای منعم
که بر بادِ زوالِ این مایهٔ کر و فرت گردد

تواضع پیشه کن گر اوجِ دولت را بقا خواهی
که همچون نقشِ پا روی زمین فرمانبرت گردد

زخونِ خویشتن رنگین نما رونق تو دامانش
که در روزِ جزا بر قتلِ او تا محضرت گردد

لبش از مستی دهان غنچهٔ نیلوفری باشد
تبسم حسنِ او را در ملاحت پروری باشد

بتِ غارتگرِ هوشی بمن در دلبری باشد
که نقشِ پای او آئینهٔ حسنِ پری باشد

بلا گردانِ جنبش شد ز دست مهر و مه گردون
هلال اندر کفِ او حلقهٔ انگشتری باشد

به پیشِ قامتش سرو سهی خم گشته از حیرت
بشوقِ عارضش گل محو پیراهن دری باشد

کجا موجِ گهر آئینهٔ تمکینِ او گردد
زمین بوسِ خرامِ یار من کبک دری باشد

هوای بوسه‌اش در عرصهٔ امکان نمی‌گنجد
بهای رونمایش صبر و جان مشتری باشد

خراب افتاد رونق خانهٔ دل چون خم صهبا

نگاهِ ساقیِ ما بسکه در غارتگری باشد

زبسکه گریهٔ دل را دمی قرار نماند
چو گرد باد بچشم بجز غبار نماند

نشانِ فصلِ گل از جورِ روزگار نماند
بغیر دیدهٔ ما هیچ آبشار نماند

ز سرد مهریِ اربابِ روزگار مپرس
درونِ سنگ نه تاثیرِ آن شرار نماند

گداخت آتشِ هجرش مرا که از تنِ من
بغیر سیلِ سرشکی چو آبشار نماند

خمیر مایهٔ این باغ عبرت و الم است
گشود چشم گل و موسمِ بهار نماند

سبو بدوش و صراحی بکف پیاله بدست
هزار شکر که ساقی به ننگ و عار نماند

ز فیضِ پیرِ مغان رستم از الم رونق
بعقل و هوش مرا هیچ کار و بار نماند

هر داغِ دلم رشکِ شرار است ببینید
دل سوختگان طرفه بهار است ببینید

عالم همه آغوش و کنار است ببینید
جانان که سرگرم گذار است ببینید

در گلشنِ امکان طرب و عیش غم افزاست
خندیدنِ گل بر سرِ دار است ببینید

گردِ رهِ او سرمه کشِ دیدهٔ آهوست
بر توسنِ شوخی که سوار است ببینید

نُه شیشهٔ افلاک بیک جرعه کشیدم
یاران بسرِ من چه خمار است ببینید

در پرده چو بوده دلِ عشاق همین برد
بی پردگیِ او که چه کار است ببینید

هرکس که دو چار است درین کشور خواب
هرچند که پروانه فناگشت بیک دم

ای بی بصران اینهمه یار است ببینید
اندر دلِ هر شمع چه خار است ببینید

صیاد چو بسمل طپد از کشتنِ رونق
در وادیِ عشق این چه شکار است ببینید

مجو مناسبتی خسرو اتو با فرهاد
برابری نتوان کرد پیشِ با فرهاد
شود ز تاب نگاهش چو آب سینهٔ کوه
بغیر دلبرِ عاشق نواز دل نه دهید
زکم نگاهیِ او آنقدر ستم دیدم
رضای خاطرِ او میتوان مقدم داشت

کجاست دامنِ آلوده و کجا فرهاد
ز رشکِ ما زده بر فرق تیشه را فرهاد
فتاد کار بسنگین دلی مرا فرهاد
بپوش چشم ز دلدار بیوفا فرهاد
ندیده است ز شیرین چنین جفا فرهاد
که نیست خشم بیار این قدر روا فرهاد

شکستِ دل برهِ عشق رونقی بخشد
زده است تیشه بسر از المِ بجا فرهاد

سپاهی را بدنیا اینقدر اسلوب می باید
بایں سه چیز گر ممتاز گشتی جاودان اید ل
ظفر چون یافتی بر فوجِ خصم از رنج و محنتها

سلاحِ خوب و اسپِ خوب و آقا خوب می باید
ترا در جنگِ دشمن طاقتِ ایوب می باید
ترا با ساغری دلبرِ محبوب می باید

نخواهم گفت با این ناصحان سوز نهانی را | زکم ظرفان همیشه راز دل محجوب می باید

تمیز و عقل رونق مرد را دارد بناکامی
ز بهر بیغمی ها حالت مجذوب می باید

ایدل قدح شراب آمد | برخیز که آفتاب آمد
مطرب شب ماهتاب آمد | رنگی بگل رباب آمد
تا چشم زدن فناست بنگر | هستی مثل حباب آمد
واعظ بردار دفتر خویش | از گریه هجوم آب آمد
مینا بر سنگ ریخت ساقی | رحمش بدل خراب آمد
وصفش گفتیم و داد دشنام | از دوست چه خوش جواب آمد
از شکوه گذشت یار از جور | کردیم خطا صواب آمد
می خورد و زخویش رفت بیرون | سنگی بسر حباب آمد

رونق ز ازل برای مستان
از لخت جگر کباب آمد

چون روی تو بی حجاب گردد | چشم قدح شراب گردد
گر آئینه در کف تو آید | آتش بوی گلاب گردد

از جوششِ شوقِ باده ما را
دل در خمِ مے حباب گردد

در سیلِ سرشک جسم زارم
چون کاه بروی آب گردد

از نازکی دلم چه پرسی
این خانه به نم خراب گردد

گر شاهدِ غیب رخ نماید
هر ذره چو آفتاب گردد

داغِ دلِ من به عشق رونق
چون نقطهٔ انتخاب گردد

بسکه در بزمِ تو ما را ناله سیر آهنگ بود
هر نفس بر شیشهٔ دل آه مثلِ سنگ بود

دوش کان زلف زرافشانش مرا در چنگ بود
افعیِ در فلک را طرفه با من جنگ بود

کاش پیدا میشدی از بهرِ دل جای دگر
عرصهٔ هستی بجولانِ شرارم تنگ بود

بعد ازین در حسنِ بیرنگِ کسی دل میدهم
الفت این نوخطان آئینه ام را زنگ بود

در هوایش جمله ذراتِ جهان سرگشته است
یا رب آن حسنِ ازل را طرفه این نیرنگ بود

در گلستانیکه آن تمکین اثر کردی خرام
از نگاهش بوی گل آئینه دارِ رنگ بود

طرفه عزت داشتم رونق بعالم پیش ازین
نقشِ پایی در سرِ راهی مرا اورنگ بود

پرده از رخ کشیده می آید
گلستانی بدیده می آید

گر بدستِ تو گل رسد بچمن / خار در دل خلیده می آید

از رخِ غیر دیده می پوشد / هر که روی تو دیده می آید

مژده ای دل که آن ستم ایجاد / بهر قتلت رمیده می آید

یافتم از هراس و خوفِ رقیب / گلِ وصلِ تو چیده می آید

صیتِ حسنِ تو بر فلک هم رفت / ماه پشتِ خمیده می آید

رنگِ عیشی بدهر نیست که طفل / دستِ حسرت گزیده می آید

محوِ عشقِ رخِ تو شاید گشت / بوی گل آرمیده می آید

چون سحر باز پیشِ تو رونق / جامهٔ خود دریده می آید

یادِ عیشی که بخاطر هوسِ یاری بود / دلِ بیمار مرا مونس و غمخواری بود

حسنِ زیبای ترا بسکه خریدار شدیم / از گرفتاری ما گرمیِ بازاری بود

بیغرض نیست درین دهر کسی را الفت / شاید از دیدنِ آئینه ترا کاری بود

خالی از دردِ محبت نسرشتند دلی / گر گلی رُست درین باغ بدل خاری بود

همه شب نوحه و فریاد بگوشم آمد / صبح دیدم که فغانِ دلِ بیماری بود

از پریشانیِ عالم باماں می بودم / مایهٔ جمعیتم طرهٔ طراری بود

رونق از چرخ عبث شکوه نمودم که مرا
باعث رنج و الم میل دل آزاری بود

روی خود را چو در آئینه تماشا می کرد
غمزهٔ شوخ تلاشِ دلِ شیدا میکرد

شانه چون حلقهٔ زلف سیهت وا میکرد
بوی صد نافه بیک تارِ تو سودا میکرد

دلِ وحشت زده را مایهٔ تسکین گشتی
باغبان طرح چمن کاش بصحرا میکرد

یادِ روزی که بجور و ستمت نالهٔ من
شورِ محشر بسرِ کوی تو برپا میکرد

شکه گردید مهیا به چمن شیشه و جام
انتظارت چقدر خون بدلِ ما میکرد

پا بهمرنگیِ خود مانع او شد ورنه
بوی گل را به چمن روی تو رسوا میکرد

هفت کشور بکف آورد و ندیده ثمری
کاش اسکندرِ رومی بدلی جا میکرد

شیشهٔ می چه قدر مستی دل افزاید
گردنِ ساقیِ ما نشّه دو بالا میکرد

یادِ جمعیّت و عیشی که برغمِ حاسد
دلِ رونق بسرِ زلفِ تو ماوا میکرد

رخ تو در نظر آئینه وار می آید
بسادگی چه قدر راز تو کار می آید

بکامرانیِ گیتی کجا دمی فرصت
متاع عیش بدوشِ شرار می آید

بکامِ خاطرِ دیوانگان گذشت سپهر
جنون کنیم که دیگر بهار می آید

مپرس حرفِ تمنّای خود ز دیدهٔ من	بجای اشک دلِ بے قرار می آید
به عاشقیِ تو ضرب المثل شدم بجهان	ترا هنوز ز نامم چه عار می آید
بعشقِ او دلِ دیوانه بیخودی تا چند	بخویش آ که بفرقِ تو یار می آید

نیاید از کفِ صد قیس و کوهکن رونق
بعشق آنچه ز دستِ غبار می آید

منعمان چون بزر و مالِ جهان دل بستند	گوهری سیر ندیدند که محمل بستند
عاشقان تا بسرِ کوچهٔ او دل بستند	از دمِ تیغِ تو بر دوش حمایل بستند
چه قدرهاست تمنّای شهیدانِ وفا	دیده را در هوسِ چهرهٔ قاتل بستند
میتوان گشت بیک ناله بجانان واصل	در میانِ من و او آه چه حایل بستند
عالمِ وصلِ بتان را که ندارد بدلے	بیخودی طرفه طلسمی به مقابل بستند
هر که نظارهٔ آن کرد بوحشت پیوست	چه طلسمیست که بر دیدهٔ بسمل بستند

همچو نقشِ قدم افتاده ام از غم رونق
پایم از سلسلهٔ جادهٔ منزل بستند

جوئی از وسعتِ دل وام کردند*	سرشتِ چرخ مینا فام کردند

* یہ غزل اور اسکے بعد کی غزل دونوں دیوان میں موجود نہیں ہیں تذکرہ صبح وطن سے
نقل کیگئی ہیں ۱۲

شمار آسادمی فرصت ندارم / که آغاز مرا انجام کردند
نموده انتخاب رنگ هستی / بنقش چهرهٔ گلفام کردند
فراهم کرده حسرتهای یک خلق / بصحن این چمن گل نام کردند
بچشم مست او چون همسری کرد / مشبک دیدهٔ بادام کردند
همه اعضای انسان یافت تسکین / مگر دل را چه بی آرام کردند
کریمان را عجب تسخیر دلهاست / خطوط دست احسان دام کردند

بسان مردمک رونق در آغاز
سیه بختی مرا انعام کردند

بازم هوای الفت جاست بلند شد / آه رسا بقصر فلک خویشش کمند شد
رسم جفا به پیش بتان چون پسند شد / پامال مثل سایه دل مستمند شد
دیگر فراق زخم دل دردمند شد / هر ناله ام چو شعلهٔ آتش بلند شد
زنجیر زلف کیست دگر دام عاشقان / محو فغان و ناله چو دل بند بند شد
هردم بوعده های وصال است حیله ساز / آن شوخ دلنواز چه گویم که چند شد
زاهد چو کرد گریه به شرب مئ مدام / مینا ز جوش باده بروریش خند شد

نوشیں لب کدام لبت را نواخت باز

رونق حلاوتِ سخنت رشک قند شد

میکشان نقش و نگاری که به مینا زده اند	واشود تا مژهٔ شیشه به خارا زده اند
نقطهٔ خال که بر عارضِ زیبا زده اند	داغِ سوداست که آنرا بدلِ ما زده اند
میتوان یافت زخارای شبیهِ شیرین	گلرخان سنگِ جفا بر دلِ شیدا زده اند
خواهشِ وصل محالست که این دلجویان	پشتِ پای زهوسها بسرِ ما زده اند
گرد باد از سببِ تنگیِ جا برخیزد	بسگان سرِ زلفِ تو به صحرا زده اند
طرفه نازیست که این خوش نگهانِ رعنا	طعنه از لبِ میگون به مسیحا زده اند

انچه رونق تماشای چمن دیدا این است
نقشِ عبرت بسرِ صفحهٔ گل ها زده اند

دوش سوی چمنی بی تو گذارم افتاد	خنده زد گل بادا یکه شرارم افتاد
تا که اندر نظر آن لاله عذارم افتاد	هوسِ سیرِ گل و باغ و بهارم افتاد
همچو بیمارِ عزیزی که بدستش دارند	الغرض طرفه مرا با دلِ زارم افتاد
کفِ رنگینِ تو در دستِ رقیبی دیدم	آتشی بود که در جانِ فگارم افتاد
خوابِ آرام بچشمِ تو رقیبا ارزانی	جلوه گاهش دل بصبر و قرارم افتاد
خلشِ آن مژهٔ تیز بدل یاد آمد	نشبکه در رهگذری پای بخارم افتاد

سرخوش آمد بسرم یار و دل از رونق برد / هی بگیرید که مینا زکنارم افتاد

کدام غارتِ سامانِ ہوش می آید / غبار در نظرم گل فروش می آید
بقصدِ خونِ کہ آں سرخ پوش می آید / کہ نالۂ دلِ زارم بہ گوش می آید
اگر نہ کوہ ز سنگِ دلش بہ فریاد است / چرا بہر نفس از وی خروش می آید
درین جہانِ پر آتش سپند سان یارب / کسی کہ نالہ بر آرد خموش می آید
چو نیست اہل دل مردہ دل درین عالم / جنازہ سان بچہ صورت بدوش می آید
اگر نہ دیدۂ من گشتہ چشمۂ سیماب / چرا سرشک بہر دم بجوش می آید

مدہ بشعر کسی نسبتی مرا رونق / کلام من ز ندای سروش می آید

بتاں کہ کارِ رقیبانِ خود تمام کنند / بگردشِ نگہی روز ما چو شام کنند
دمیکہ بادہ کشاں فکرِ انتقام کنند / نمودہ خونِ دلِ افلاک می بجام کنند
دگر مجال کہ مہ پارہ چوں کتاں نہ شود / شبی کہ زرد قبایان ہوای بام کنند
خوش است حلقۂ آں زلفِ تابدار بتاں / پی گرفتنِ عاشق چو فکرِ دام کنند
فلک دہد زمہ نو بدست شاں تیغی / ستمگراں چو بدل عزمِ قتلِ عام کنند

چه مستی است سراپای نازنینان را
شراب جوش زند هر کجا خرام کنند

به پختگی کلامت نمی‌رسد فکرے
معاصران تو رونق خیال خام کنند

در سرم تا هوس نرگس بیمار افتاد
فکر جمعیت و درمان دل زار افتاد

وصل او ساعتی آرام دل زار افتاد
چه قدر کار مرا با غم دلدار افتاد

تن بسختی ده اگر عافیتے می خواهی
گل کجا تازه بود چون ز کف خار افتاد

یارب این مار سیه را چه قدر باشد زهر
دست از زلف نبردیم که از کار افتاد

چتر فردوس برین و سر زاهد خوش باد
خاطرم مایل آن سایهٔ دیوار افتاد

بهر مشق ستم ادلی است رقیب گستاخ
جان من گر بدلت خواهش آزار افتاد

کی شود رونقم آزاد ز دام نکهت
چشم مخمور تو بسیار سیه کار افتاد

گل اگر دیده بلب های تو وا میسازد
برگ را بر رخ خود دست حیا میسازد

بکف پای تو گر رنگ حنا میسازد
خار حسرت بدل خستهٔ ما میسازد

نه شقایق نه گل و سبزه نه نرگس نه نسیم
با چمن مایل روی تو کجا میسازد

شادی و عیش و طرب را چکنم آه بدل
خار مژگان کسی نام خدا میسازد

لطف و اشفاقِ تو با بوالهوسان ارزانی
بدلِ غمزده ام خارِ جفا میسازد

گاه روی تو نه بیند زجفای گردون
هر که از کوی تو ام یار جدا میسازد

هر سحر طرفِ چمن مسکنِ ما میگردد
که بوحشت زدگان بادِ صبا میسازد

گر همین است بدنیا ثمرِ باغِ وداد
بچه امید کسی مهر و وفا میسازد

رونق اندوه مخور از ستم دورِ فلک
چارهٔ درد دولت غوث ورا میسازد

مژده یاران نگار می آید
بعد سالی بهار می آید

ای دل خسته یار می آید
صبر و عیش و قرار می آید

فرصت یک دم این قد جولان
خنده ام بر شرار می آید

خون شدن یا بخاک غلطیدن
دیگر از دل چه کار می آید

از فلک گر مروت آمد پیش
نمکی بر فگار می آید

چشم خود را ز دیدنش پوشم
از غنی بسکه عار می آید

گوهر اشک جمله از کف ریخت
دل برای نثار می آید

کی ز تیر و سنان کشاید کار
انچه از نوک خار می آید

ز و د پهلو تهی کنی اسے برق

رونق بیقرار می آید

برنج است آنکه دلداری ندارد — ز مژگانی بدل خاری ندارد

کسی کو الفت یاری ندارد — دلم جز دوستی کاری ندارد

حباب آسا سبکباری است خرم — بفرق خویش دستاری ندارد

مرا چون گل جگر صد چاک گردید — دلت چون غنچه آزاری تدارد

بمحشر آبرویش از چه باشد — هر آن کس دیدهٔ زاری ندارد

به بیداری دلم چون شعله لرزد — که چشمان شرر باری ندارد

نیابد رونق از غم راحت آنکس
دل زاری شب تاری ندارد

ردیف ذال

از کسی هر چه خواهم من شیدا تعویذ — چشم بیمار تو بخشد به مسیحا تعویذ

مینویسی بیم اید وست بسودا تعویذ — عاشقی را چه سر و کار بود با تعویذ

گر باشفتهٔ آن چشم سیه درمانی — کن رقم بر ورق نرگس شهلا تعویذ

گوشهٔ دامن او بهر علاج کافی است — بزن ای یار دگر بر سر ملا تعویذ

بوسه گر بکف آید ز لب شیرینش — کار دیوانه بود شکر مداوا تعویذ

ای پریخوان بکالت شوم انگه قایل	گر به بندی بسر آهوی صحرا تعویذ
هر که بیمار و پریشان دل و آشفته بود	هست رخسارهٔ آن آئینه سیما تعویذ
نیست جز حسرت دیدار غباری در دل	بس بود پارهٔ آن آئینه ما را تعویذ

زهره در پهلوی دیده‌ام ای رونق نیست
هست بر ساعد دلدار چه زیبا تعویذ

چون نوشتیم بآن دلبر گل رو کاغذ	همچو اوراق گلستان شده خوشبو کاغذ
عشوه هست میان من و او واقف راز	میفرستد بمن از گوشهٔ ابرو کاغذ
گر بوحشی نگهان نامه نویسم گاهی	چه عجب گر بشود دیدهٔ آهو کاغذ
بهر تسکین دل زار خیالی دارم	کی نویسد بمن آن کافر بدخو کاغذ
دهن مار بنا چار نمائیم دوات	گر نویسیم بآن حلقهٔ گیسو کاغذ
عرض احوال توان کرد بسویش لیکن	میدهد سیل سرشکم همه در جو کاغذ

رونق از تندی خویش چه نویسم دیگر
سر قاصد طرفی مانده به یک سو کاغذ

ردیف راء

بس است حلقهٔ گیسوی دلربا زنجیر	دگر چه کار ه بود دوستان مرا زنجیر

فتاد تا بجنون کارم آه با زنجیر — ز شور نالهٔ من گشت بی صدا زنجیر

خیالِ زلفِ تو خوش میکند دل ما را — وگرنه جنبشِ پاے کند رها زنجیر

فغان ز شورشِ دیوانه ام دو بالا شد — رسید تا بفراقت مرا به پا زنجیر

بیا بهفته بزندان یکی تماشا کن — کجاست این دلِ دیوانه و کجا زنجیر

زبسکه حسنِ تو دیوانه کرد عالم را — برهگذارِ تو افتاده جابجا زنجیر

ز قاصدان نکشم بارِ منتی دیگر — هزار حرفِ پیامم کند ادا زنجیر

وفا پرستیِ مجنون رسید در جای — هزار ناله کند چون شود جدا زنجیر

چو دید حالتِ رونق بهجرِ یار کشید
ز بیقراریِ دل نالهٔ رسا زنجیر

در دل از آتشِ عشقِ صنمی اخگر دار — نفسِ سوخته چون شعلهٔ خاکستر دار

ای هنرمند ز سرمایهٔ خود جوهر دار — بی قبای تنِ پیراسته چون گوهر دار

صابری طرفه تسلیست مگر بیکس را — دلِ خوشنود بغم چون علیِ اصغر دار

همت از هر که بود شیمهٔ حیدر باشد — در هواداریِ او پیرویِ قنبر دار

حسنِ ظاهر بصفای دلی آراسته کن — رنگ و بو هر دو مساوی چو گلِ احمر دار

ماتمی را بتماشاے چمن کاری نیست — وادیِ سبز تر از باغ ز چشمِ تر دار

زیرِ خاک ار شوی از فلکِ بلندی مگذر
هوسِ زمزم و کوثر منما بهرِ خدا

گر شوی نقشِ قدم حوصلهٔ نیسر دار
قطرهٔ آب از آن خنجرِ ابرو بردار

پاکدامن شو و در عشقِ بتان خاطرخواه
رونق از داغ بکاشانهٔ دل اختر دار

صاف بندی ست خوبیِ اشعار
دیدنِ صاف و دردِ می ایرمز
لیک آن را لطافتی باید
کن نگاهی دقیقه بند سخن
فهمِ مضمونِ اوست بس مشکل
وقتِ شعر بود در غو بم

خاک بر فرقِ وقتِ گفتار
میکند ر دقیق گو اظهار
ورنه زان گفتگوست لازم عار
د کلامِ فلاسفے خوانار
گشت تشخیصِ معنیش دشوار
گرد ما جدا ازین مرا بیزار

مختلف شد مزا بهار رونق
چه ضرور است این قدر انکار

گردد قبولِ بارگهش آه در سحر
در هر قدم مقابلِ رویش ز جا روم
با آتشین نفس نتوان همزبان شدن

گیرد گشاد نالهٔ جانکاه در سحر
همچون مسافری که رود راه در سحر
گم میکند تجلّیِ خود ماه در سحر

فریادِ عاجزانِ پریشان که بشنود | گر بر پلنگ خواب کند شاه در سحر

اکسیرِ اعظم است برنگِ سفیدِ صبح | بنگر زشب ز باده شود باه در سحر

از زلف دل برآمده رسوا بچهره شد | گرد دگرفته در دِ شبانگاه در سحر

درماندگانِ غفلتِ شب راهی کنند | بیدار را اسمِ اعظمِ الله در سحر

هرکس بقدرِ ظرف از آن کامِ دل برد | یک نامِ دوست هست بافواه در سحر

رونقی نگر بدیده دل تا شود عیان

تا بدستاره سان دلِ آگاه در سحر

مژده ای یاران که مستم در بهار | ساغر و مینا شکستم در بهار

گاه کشش آمد بدستم در بهار | با مغانی عهد بستم در بهار

توبهٔ تقوی شکستم در بهار | می پرستم می پرستم در بهار

گاه مخمور و گهی پیمانه نوش | گاه عاقل گاه مستم در بهار

بیش ازین پروای ننگی داشتم | از جنون زین قید رستم در بهار

در خیالِ نشئهٔ رنگ خطش | گه بلند و گاه پستم در بهار

همچو خالِ گلرخان مسم تن | تیره از روزِ الستم در بهار

میکنم باد خترز رعقدِ خویش | چون زکاخ زهد جستم در بهار

ردیف زای تازی

نگویمت که به مینای می شراب انداز
بنای صبر و خرد را دگر بآب انداز

تبسمی کن و در ساغرم شراب انداز
ز کانِ لب نمکی بر سرِ کباب انداز

گره گشاده شد از کارِ عالمی دیگر
بموی زلفِ تو یکبار پیچ و تاب انداز

ز تند باد طلسمِ فنائیش ایمن کن
فروغِ عارضِ خود در دلِ حباب انداز

بآبِ دیدهٔ عاشق برابری دارد
نگاهِ گرم یکی بر سرِ سحاب انداز

ببزمِ وصل دلا این قدر تحیر چیست
بجای آب شراری بچشم خواب انداز

فروغِ رنگِ رخت غافل این قدر گوید
که آتشی بهوس موسمِ شباب انداز

هزار دعوی بیجا کند به پیشِ لبت
شرار در دلِ یاقوت از جواب انداز

بغیر دیدهٔ رونق سزای حسنِ تو نیست
ببزمِ بوالهوسان گر روی نقاب انداز

نگهت راست بآئینه سروکار هنوز
در دلم موج زند حسرتِ دیدار هنوز

مایلِ رحم نشد چشمِ ستمگار هنوز
می طپد در سرِ کویش دلِ بیمار هنوز

قطرهٔ از نمِ اشکم بهوا رفت ز آه
ابرِ نیسان بزمین است گهربار هنوز

ماهِ کنعان و زلیخا به زمین آز امید
در نظرهاست همان گرمیِ بازار هنوز

رشتهٔ طولِ امل های جهان شد کوتاه
در درازی است مگر طرّهٔ خمدار هنوز

ساغرِ مهر و مه و شیشهٔ افلاک شکست
جام در دست بود نرگسِ سرشار هنوز

شورِ محشر همه افسانه ربود و رونق
در ترقی ست بجانم هوسِ یار هنوز

پیر گشتی هوسِ نقش و نگار است هنوز
چون فلک در قدِ خم گشته شرار است هنوز

رخِ زیبای تو سرجوشِ بهار است هنوز
شوخیِ حسنِ تو بر برق سوار است هنوز

نسبتِ گل بلب لعلِ تو دادم یک بار
شبنمِ باغ بهر غنچه نثار است هنوز

عمرها شد گهر دل ز کفم گم گردید
آسمان را گذری سوی غبار است هنوز

بعدِ عمری چو بسویم گذری شد پرسید
در دلِ غم زده ات صبر و قرار است هنوز

نگهِ مست زچشمِ تو فگن بر سرِ من
خم و پیمانه تهی گشت و خمار است هنوز

خط برآوردی برگشته جهانی از تو
رونقم را بتو جانان سروکار است هنوز

عالمی در باغ خندانست و گریانم هنوز
از سرشک دیده ریزد گل بدامانم هنوز

شورِ بلبل سرمه آلود است و نالانم هنوز
در عدم پیدا رگرد د گل ز افغانم هنوز

دورِ می آخر شد و بیرون زمجلس رفت یار
ریشه در خون میدواند موی مژگانم هنوز

ما دو کس آشفتهٔ گیسوی پرخم بوده‌ایم | یافت جمعیت گل سنبل پریشانم هنوز

نکتهٔ سربستهٔ ساقی ز راز جام گفت | بزم می برخواست در سر گریبانم هنوز

پخته کاری جنون از آتش بیخ است و بس | سنگ طفلان را نخوردم در بیابانم هنوز

تا بخوانم دفتر رنگینی حسن ترا
همچو رونق در تماشای گلستانم هنوز

دیگر ای شوخ گر آمده‌ای بر سر ناز | ساغر باده بدست تو بود افسر ناز

سرمه دان تا شده چشمان ترا یا در ناز | ریخت در دامن آیینه گل نوبر ناز

دارم اندیشه که حسن تو نیاید بزوال | مور خطت نشود فتنه و غارتگر ناز

گردش چشم بلائیست که هر میدانم | باز افتاده دل غم زده در ششدر ناز

عشوه مهریست که در شام و سحر میدرخشد | طاق ابروی تو تابست مگر خاور ناز

سرخوشش تا بدم حشر نه چشید از جامی | نرگس مست تو ساقی ست عجب ساغر ناز

رونق از دیدهٔ او غمزه دمی بیرون نیست
با نگاهش بسرشتند مگر جوهر ناز

بقای محض شده‌اند سر عدم برخیز | بسیر گلشن نیرنگی قدم برخیز

* یہ غزل دیوان میں درج نہیں تھی تذکرہ صبح وطن سے نقل کی گئی ہے ۱۲

متاع سود و زیان بار خاطر است اینجا
چو گرد قافله ای کاروان زهم برخیز

بهر زمین که نهی پا بجز مزاری نیست
گنه نکرده ازین ره بیک قدم برخیز

فراخ کامی داریں شد زیاده سری
بهرچه خواست مشیت زبیش وکم برخیز

به نوش و نیش ترا دخل نیست یکسر مو
حلاوتی رسدت از کمان سم برخیز

ز لاله داغ دلے وام کن بفصل بهار
بسوی دشت نگر از سرا ارم برخیز

هوای ابر برونق دماغ ای ساقی
بکف گرفته صراحی و جام جم برخیز

ردیف سین

گر از دل پر داغ بود افسر طاوس
یکرنگ بود تیره چو شب پیکر طاوس

سوزی ست ز حسن تو مگر در سر طاوس
گر طرهٔ زلف تو شود افسر طاوس

از حسن تبان چون نشود داغ دل ما
بر آئینه ریزند چو خاکستر طاوس

نیرنگ رخت آنقدرم سوخت بحسرت
دل نیست مرا لیک بود یک پر طاوس

اشکیست که تا کوی تو آیم بسراغش
جز گریه بگلشن نشود رهبر طاوس

هرچند سراپاش پر از نقش و نگار است
داغی است مرا منتخب از زیور طاوس

آهی ست مرا چاره گر این دل بیتاب
جز ناله بصحرا که بود یاور طاوس

فکری ز قیامت بدلِ نخچیرم نیست
برگشته نگاهیست همین محشرِ طاوس

رونق ز شکست مرا خلعتِ سنجاب
گر جامهٔ مهتاب بود در برِ طاوس

بوده از روزِ ازل ما را سرو کارِ قفس
در حقِ ما قصرِ فردوس است دیوارِ قفس

گر نشینی ساعتی در چار دیوارِ قفس
بهتر از صد گل شماری یک سرِ خارِ قفس

یک شکر لب نیست در باغِ جهان بی دردِ سر
یا رخو آئینه طوطی گرفتارِ قفس

حلقهٔ زد در کمندِ زلف با عزمِ شکار
باز از نو میشود گرمیِ بازارِ قفس

بی چراغ افتاد گر بزمِ گرفتاران چه باک
میشود از نالهٔ شمعِ شبِ تارِ قفس

سایه پروردِ بهارِ وصلِ خوبانیم ما
بلبلِ ما راست از روزِ ازل عارِ قفس

در اسیری گر به پیشِ گلرخان باشی چه غم
نیست جز مجبوریِ صیاد آزارِ قفس

نالهٔ مرغان مگر در خوابِ او آتش زند
بیشتر بیدار میباشد نگهدارِ قفس

گر شوی آگاه رونق از فراغِ عزلتی
بر سرِ خود دیگر از منت کشی بارِ قفس

گلشنِ من چشمِ گریانیست بس
خنده ام چاکِ گریبانیست بس

مرهمِ دل خارِ مژگانیست بس
کسوتِ تارِ دامانیست بس

بہر معراجِ بلندی ہای من
نقشِ پای یار رایوائیست بس

از می و ساغر دلم کے بشگفد
عشرتم در لعلِ خندائیست بس

بیقرارِ سادگیہای دلم
ہمدمِ من آہ نادائیست بس

کی توانم بُرد نازِ باغبان
از صبایم بارِ جہائیست بس

چون شود محروم رونق از وصال
دلنشینش آہ و افغانیست بس

تا بکی غافل بدنیائی گرفتارِ لباس
ساعتی آسودہ شو از دوش بارِ لباس

نیست چون تصویر عریانم سروکارِ لباس
ہمچو گوہر نیستم در بندِ آزارِ لباس

جامۂ سرخش چہ خوبہا در دلِ بیتاب ریخت*
ای حریفان آتشی افتد ببازارِ لباس

چینِ دامن میکند ظاہر مرا با صد زبان
در دلِ اربابِ دولت میخلد خارِ لباس

گرچہ سرتا پای او رنگین بود لیکن مرا
غنچۂ آن تکمہ خوش آمد زگلزارِ لباس

اطلس و زربفت چون دیدم بدوشِ سیمبر
در دلم رونق از انساعت بود عارِ لباس

* اصل بیاض میں یہاں ایک شعر لکھکر کاٹ دیا گیا ہے ۔ وہو ہذا

پارہ خواہد شد تنش چون گل ز بیدادِ فلک   ہر کہ میگردد دریں عالم ہوادارِ لباس

عالمی راست زبس دست در آغوش هوس
هر که دیدیم بدنیا شده مدهوش هوس

بیخبر چند نشینی تو در آغوش هوس
همچو طاوس همه داغی وگلپوش هوس

همچو اکسیر کند خاک تلاشش زر و سیم
بار زر چند کشی آه تو بر دوش هوس

نشود سرخوش عشرت دمی از بیتابی
هر که گردید درین خمکده مینوش هوس

ساغر بدر ز مهتاب پر از صهبا شد
بسکه در فصل بهار است بدل جوش هوس

تلخ گردد بمذاقت چو قناعت گیری
انچه اکنون بنگاه تو رسد نوش هوس

انچه بر فرق شهانست هما نی افسر
رونق افتاده بران قوم چه سرپوش هوس

ردیف شین

نرگس مست او شراب فروش
عارضش از عرق گلاب فروش

چون ببزم شراب بنشستی
دل صد پاره شد کباب فروش

تا تماشای روی جانان کرد
دیدهٔ من شد آفتاب فروش

ساغر می ز دست یار ستان
محتسب دفتر حساب فروش

گشت مدهوش تا ز دیدارش
دیدهٔ گوهر است خواب فروش

تاب رویت مگر نمی دارد
برگ گل میشود نقاب فروش

بسکه لبریز از هوای تو شد
دل رونق شود حباب فروش

بگذار ریکه باشد جلوه گر سرو خرامانش — ز نهر آب گردد بخیهٔ چاک گریبانش
دل چاکم اگر گردد رفو از تار دامانش — فراهم میکند زخم کواکب شور افغانش
ز دست آن شکار افگن کجا پنهان توان گشتن — دو عالم پای موری هست در صحرای جولانش
بگذار ارم صد خنده از زخم جگر دارد — بدل هر کس که پنهان مینماید خار مژگانش
چه پرسی از ازل آواره گردید سر و پائی — که باشد گرد باد آسا غباری ساز و سامانش
سرشکم شورش طوفان برانگیزد بدریائی — که بار دلخت دل در جای گوهر بر نیستانش
به پیش طفل شوخی عرض حالم کردنی دارد — که بر لب خنده را دشنام سازد ناز پنهانش
تلاش جستجویت کی گذارد این دل شیدا — زند گر بر زمین صد بار چون خورشید دورانش

اگر رونق رود بهر تماشای چمن گاهی
غرض جز لاله در دل نیست از سیر گلستانش

زبس گردید شوخی بیقرار از قد رعنایش — نماید جلوه چشم پری خلخال در پایش
شود شیرین دل من از لب دشنام پیرایش — که حنظل میشود انجیر از لعل شکرخایش
کی از مشق ستم در دل گذارد قطرهٔ اشکی — که از یاقوت سازد رگ جدا مژگان پیرایش

زبس احکامِ نازش بر همه گلها روان گردد
بود کیخسروِ تختِ گلستان چشمِ شهلایش

اگر از محفلِ می ساقی از مستی برون آید
کند چون لاله یکسر داغ در دل جامِ مینایش

کنارِ اطلسِ گل التفات آن نگه افتد
قبا از چشمِ بلبل مینماید سروِ زیبایش

زند از آبِ تابش غوطه در آبِ گهر گردون
بهنگامی که لبریزِ عرق شد ماهِ سیمایش

پیِ آرایشِ زیور چو گیرد در کفِ آیینه
نگاهم رشتهٔ گوهر شود وقتِ تماشایش

مشو در پاسِ رونق اینقدر بیدل ز خشمِ او
که مضمونِ تسلی هاست پنهان در هر ایمایش

بهنگامی که مِگون مینماید چشمِ خونخوارش
زند در سینه‌ام صد تیر مژگانِ جفاکارش

نگاهی کن برنگینی و پیچ و تابِ دستارش
که در دل خارخاری دارد از دیدارِ رخسارش

هوس‌ها نوجوانان بیشتر دارند پیران هم
کند شام و سحر بر رخ نگاهی زلفِ خمدارش

غرض از دل طپیدن‌ها هم آغوشیست میدانم
بایما میکند مطلب ادا آشفته گفتارش

اگر خورد است آب از چشمهٔ حیوان نهالِ او
بدرمان نازِ منت میفروشد خارِ آزارش

باندک التفاتش خسته جانان میرهند از غم
چرا بر خود نمینازد نگاهی چشمِ بیمارش

اگر در انتظارش کور گردد دیدهٔ عاشق
ظهورِ چشمهٔ حیوان ز تغافلهای بسیارش

تلونهای کثرت پردهٔ وحدت شود هردم
حباب آسا ز هستی دیده میپوشد هوادارش

نگه بر دوش مژگان تکیه زد رونق تماشا کن
زبس طاقت ربائی میکند صهبای دیدارش

دگر ساغرکش نازاست اید ل چشم میگونش
پری در شیشه پنهان میکند تاثیر افسونش

دلی دارم که باکی نیست از آسیب گردونش
بصحرا مونس دیرینه باشد روح مجنونش

نظیرش مصرع برجستهٔ دیگر نمی بینم
بود در هر زمینی دلنشین آن سرو موزونش

چرا عاشق نگردد بی نیاز از منتِ گردون
که باشد زردی رخسارهٔ او گنج قارونش

برنگ چشم او ترک دلاور را نمی بینم
که صفها را برابر میکند در روز شبخونش

عنان توسن او از رگ جان غزالان بود
رکاب از حلقهٔ چشم پری میداشت گلگونش

نخواهد سر خوش او ساغری کو جام جم باشد
بیک جو غم نگیرد راحت کونین محزونش

بفرق خویش بند منعم وصد نازها دارد
نم آب خجالت میشمارم درّ مکنونش

هر آنکس چون حنا هم پنجهٔ دلبر شود رونق
بآئین حمیت لازم آمد ریزش خونش

اگر سیماب را آید بخاطر وضع تمکینش
نماید آب گوهر کسب خود داری ز آئینش

چه راحتهاست یارب در نصیب خانهٔ زینش
حمایل میشود در گردن او ساق زرینش

ز آسیب قیامت نیست باکی دلفگارش را
که شور حشر را بخشد حلاوت لعل شیرینش

بپای نازکِ او دستِ عاشق کی گذر یا رب
که همچون لاله داغی میرساند برگِ نسرینش

چه نیرنگی تماشا میکند دل از طپیدنها
بهنگامیکه باشد در نظر سرو بلورینش

رمیدنهای شوخی را دگر از من چه میپرسی
که از بیتابیِ برق است مهدِ خوابِ نوشینش

بحیرت میرسیدم از هجومِ بیقراریها
که لب چون ماهِ نو در خنده وامیداشت غمگینش

حذر از زالِ دنیا کن اگر بینا شدی واری
شود سرمایهٔ عمرِ تو آخر صرفِ کابینش

به تسکین میشود فردای محشر آشنا رونق
که همچون خواب پنهان شد ز چشمش یاد دوشینش

اگرچه موجِ عتاب است باز چشمانش
پیامِ صلح نماید نگاهِ پنهانش

عبث فتاد بدل رغبتِ گلستانش
کجاست رنگِ بهار و کجا شهیدانش

عجب نباشد اگر مایلش فغان نکشد
که سرمه هست نگر همزبانِ مژگانش

چه نسبت است خطِ یار را به سنبل و گل
که یک غلامِ کمربسته است ریحانش

همین دل است و من و گرد باد و صحرای
دگر ز خویش برد الفتِ غزالانش

هوای تختِ سلیمان چرا رسد در دل
بقدرِ مور اگر جا کنم بدامانش

ز آبیاریِ سیلابِ نوح دم زنش
نهان بقطرهٔ اشکِ من است طوفانش

صبا نثار کند باز دفترِ گل را
بشاعری که باین رنگ و بوست دیوانش

دل تنگش رونق فتاد مایل اشک
بباغ و بحر مسلم هوای نیسانش

نمیدانم چه میگوید بشوخی چشم جادویش
صبا بار دگر رهبر شوی گر تا سر کویش
اگر دارد نسیم از گرد دامانش ره آوردی
نمک بر زخم ماهی ریزد از ریگ تهٔ دریا
نمی باشد فزون تر زین عتاب و خشم و رعنائی
ندانم تا چه باشد مدعای التفات او

که از راه ادب در پیش او خم گشته ابرویش
دل آشفتهٔ خود را نمایم نذر گیسویش
که میدانیم ما از عمرها کیفیت بویش
اگر افتد گذر از نازگاهی بر لب جویش
بچشمش مردمک لرزان بود از تندی خویش
که دارد با مسلمان میل یارب لطف هندویش

کند رونق تصور ساغر می دیدهٔ پرخون
رگ گل را شناسد خار خاری مایل ریشش

صبا پیغام اشک من رسانی تا در گوشش
دمی کز خود روم از بیقراریهای آغوشش
نه پنداری که بهر زینت خود بار میپوشد
فلک از شور دریا پنبه در گوشش خود انداز
مکن اندیشهٔ عصیان ملاحت بین قدح بستان

که سلک گوهری دارم برای زینت دوشش
برنگ سایه میکردم بروی خاک همدوشش
چمن را آب و رنگی میدهد اندام گلپوشش
بهنگامیکه آرد سیل آب دیده در جوشش
نمک ریزد بجام باده زاهد لعل مینوشش

برنگِ چشمِ او ازبسکه دارد وضعِ خود داری
بمستی وانماید خویش را هشیار مدهوش

عبث رونق بامید وصالش چشم در راهی
که گردیده زخاطر وعدهٔ دوشین فراموش

دلت را گر گلستان میکند خوش
مرا رخسار جانان میکند خوش

نه ما را صبح تابان میکند خوش
دلِ عاشق شبستان میکند خوش

هلاکِ نوخطانِ گل عذارم
دلم را بوی ریحان میکند خوش

ندارم مدعای غیر فریاد
مرا دشتِ نیستان میکند خوش

مدادِ خامه کاغذ کردسیراب
صدف را ابر نیسان میکند خوش

خزان رختِ سفربست از گلستان
دگر فصلِ بهاران میکند خوش

اگر دل مایلِ آن چشم داری
تماشای غزالان میکند خوش

دلم وا میشود در بزم موزون
بیک بیتم سخندان میکند خوش

کجا مایل شوم رونق بشمشاد
دلم سروِ خرامان میکند خوش

بی تکلف گر بود در شعر سامانِ تلاش
پیشِ اربابِ سخن باشد همان جانِ تلاش

بر فصاحتهای شعرِ ماست ایمانِ تلاش
معنی برجسته مابی سخن جانِ تلاش

لسلہ .

بسکه دارم جستجوی معنیِ رنگین بدل | از بهارِ فکرتم خرّم گلستانِ تلاش
خویش را خاکِ رهِ اهلِ سخن باید نمود | کی رسد دستت بآسانی بدامانِ تلاش
گر شوی محوِ تفکر بیشتر اندیشه کن | خارِ بی ربطی برآرد سر ز بستانِ تلاش
برطرف کن عیب را از خود که شیرانِ سخن | بیشتر گیرند آهو در نیستانِ تلاش
بسکه در بحرِ سخن غوّاص بودم عمرها | میزند هر مصرعِ من موجِ طوفانِ تلاش
جیب و دامانِ نگه لبریز گوهر میکند | کلکِ گوهربارِ من گردیده نیسانِ تلاش

بسکه در شعرم بود رونق لطافت بیشمار
کرده هر بیتم نهان در خویش دیوانِ تلاش

زآئینه رخت کز مهتاب میزند جوش | از چشمِ اشکبارم سیماب میزند جوش
سرگشتگیست ما را از بسکه در طبیعت | هر جا ز نیم پای گرداب میزند جوش
آبحیات ریزد در ساغرِ دلِ ما | اندر سخن چو طبعِ شاداب میزند جوش
حالِ جدائی او گر اندکی کنم عرض | از جانِ بیقرارم سیلاب میزند جوش
اندر خیالِ آن لب گشتم بشعر مایل | از خامه طرفه لعلِ نایاب میزند جوش
آئینهٔ فلک را سازد سیاه یکسر | از سینه‌ام چو آهِ بیتاب میزند جوش

اشکم فشاند آبی بر تیره بختیِ دل

رونق بدیده من چون خواب میزند جوش

باغبان از برگ گل تا کرده در گلزار روش
میکند بلبل برای خویشتن از خار فرش

گو که از مخمل نماید بهر خود زردار فرش
عاجزان را بس بود آن سایهٔ دیوار فرش

چشم پرخون را عجب دیست در نقش و نگار
هر کجا آرام گیرم میشود گلزار فرش

خود فروشیهای زاهد از مصلا می شود
چیده از زهد ریا در کوچه و بازار فرش

همنشین را گر کند بیتاب جای شکوه نیست
میکشد از پهلوی بیمار صد آزار فرش

منت رنگ حنا بیصرفه بردن سود نیست
پا نهادی هر کجا شد دیدهٔ خونبار فرش

دامن فقر شکن آلوده منعم زینهار
گر بدرویشی طاقی میشوی بردار فرش

سردمهریهای گردون را عجب خاصیتی است
گسترد در خانهٔ آیینه از زنگار فرش

نرم رویان صاف جز سختی کجا رونق شوند
هیچگه جز مهرهٔ سنگین نشد هموار فرش

دلی دارم که موج نشئه صهباست زنجیرش
صدای قلقل مینا بود افسون تسخیرش

چه امکان ست تا مانی کشد بر صفحه تصویرش
که نال خامه زنجیر است در پا وقت تسخیرش

لب لعلش کجا تاب گزیدنهای ما دارد
که نیلی میشود از صدمهٔ آواز تقریرش

مگر از پرتو حسنش فروغی یافت شمع شب
که گردد برگ گل از فیض رنگینیش گلگیرش

رقم شد حرفی از سوز دل بیتاب در کاغذ
بود خوابی عروج جاهِ دنیا پیش آگاهان

زبان شعله گردید است هر سطری ز تاثیرش
که غیر از کاهش و پستی نباشد هیچ تعبیرش

چه پرسی رونق از رنگینی دست نگارینی
کز انگشتش حنائی میشود پیکان و زنجیرش

بسکه بر سنگ زدم از غم عشقت سر خویش
سیل خون یافته ام تا بعدم رهبر خویش

شبِ هجران چه کنم چارهٔ درد سر خویش
گریه ها میکنم از زخم بچشم تر خویش

هوسِ سرو قدت بعد فنا هم نرود
قمریی میکنم ایجاد ز خاکستر خویش

همچو یاقوت هنر سوز جگر می بخشد
همه تن سوخت مرا از اثر جوهر خویش

رنگ و بوی دگری میدهد دست فیضِ سخا
شهره شد گل بچمن ریخت چو مشت زر خویش

برق را شعله زنی مایهٔ شهرت باشد
بهر پرواز بود ناله مرا شهپر خویش

آب و تاب دگر است از اثرِ نالهٔ زار
گریه گردید مرا آبروی گوهر خویش

طاقتِ درد جدائیش ندارد هرگز
داغ گشتم ز تمنای دل ابتر خویش

سالها گر شنوی نیست نهایت آن را
چه شکایت که ندارد دلم از دلبر خویش

گر رسد تیر نگاهت ز غلط اندازی
همچو مهمان بنشاند دلِ من در بر خویش

سوخت دل ز آتشِ عشق رخ تابان کسی

رونق از داغ نشانی شده بر محضرِ خویش

ردیف صاد

غمزه در چشمت بشوخی کرده صبح و شام رقص
همچو مخموری که سازد از نشاطِ جام رقص

میکند از شوقِ دل در زلفِ عنبر فام رقص
همچو آن مستی که گیرد بر کنارِ بام رقص

وضعِ تسلیم از جماد آموز و سختی عیش دان
چون سرش در زیرِ سنگ آید کند بادام رقص

اولِ عشقست و دل بیتاب گیسوی تو شد
نو گرفتارِ قفس را میشود در دام رقص

حاصلی جز ترکِ دنیا نیست از بزمِ طرب
میشود از پشتِ پای در نظرا تمام رقص

شوخیِ حسنش مگر آورد دیگر در نظر
دل کند سیماب سان آنها ز رقص انجام رقص

ناز و بی پروائی او را کرده منعِ التفات
بسملِ ما از تمنا داشت در هر گام رقص

وجدها میکرد صوفی گر بدو مایل نشد
کی برد دل را اگر باشد بطرز خام رقص

دامن افشان گر رسد رونق نگارِ دلفریب
میکنند از بیخودی ما جمله خاص و عام رقص

هلال سان چو کشد سر بر آسمان ناقص
بچشمِ اهلِ بصیرت بود همان ناقص

رسائی عجبی داشت شورِ فریادم
اکنون ز سرمهٔ چشمِ تو شد فغان ناقص

بصد جفا شود ش دلنشین خدنگِ قضا
کسیکه فهم کند آهِ بیدلان ناقص

رقیب گر کند از ما حسد تعجب نیست
همیشه رشک نماید ز کاملان ناقص

به پیش روی تو در باغ گل خجل گردید
که سر بجیب برد وقت امتحان ناقص

شنید نام تو از قاصد و دل از خود رفت
هزار حیف که گردید داستان ناقص

ز تاب خامهٔ رونق شدست شمع خموش
بزم اهل کمال است بی زبان ناقص

ردیف ضاد

کند شگفتگی از طبع روشنم گل قرض
ز بیقراری من آه کرده بلبل قرض

رسید فصل بهار و ز زلف دلبستیم
دگر نسیم پریشانی از سنبل قرض

گلی بباغ ندیدم برنگ رخسارت
ادای وصف تو گردید بجز ز گل قرض

چه آبدار بود حرف من که جوهر را
نموده تیغ زبانم ز لعل و لدل قرض

ز بار دام چگویم نمی توان گفتن
گران چو کوه بود گرچه هست یک مل قرض

شب فراق کسی باز بی قرارم کرد
چه پیچ و تاب دهد ناله ام بکاکل قرض

دگرچه کار مرا رونق از ایاغ شراب
که نشه داده نگاهش بساغر مل قرض

ز سیر باغ مرا شد رخ نگار غرض
وگرنه دلشده را چیست با بهار غرض

مرا دنیست ز سنبل بجز پریشانی
ز ناوک مژهٔ شاد کن سرت گردم
چرا ز منت آئینه منفعل گردی
هزار حیف که گل محمل ازگلستان برد
به بی ثباتی این بزم سے دلم سوزد

بغیر داغ ندارم ز لاله زار غرض
جزین خدنگ ندارد دل نگار غرض
که باغ حسن ترا نیست آبیار غرض
فتاد بلبل دلخسته را به خار غرض
نم شراب چو خواهم بود شرار غرض

به بیقراری دل غور اگر کنی رونق
زدود آه بود زلف تابدار غرض

ردیف طار

آشنای باده را باشد ز چشم تر محیط
دایم از در ماندگان فخر بزرگان میشود
وسعت دلهای روشن دید شاید گر جسد
سجده پیش خاکساران کن اگر خواهی شرف
دل تهی کن از هوا تا عزتے باشد ترا
وهم ما و من نقاب روی وحدت میشود

از برای کشتی می میشود ساغر محیط
اعتباری دارد اندر خلق از گوهر محیط
میزند از موجها بر خویشتن خنجر محیط
سر نهد از عاجزی هردم بخاکستر محیط
میگذارد بر سر خود از حباب افسر محیط
ورنه هر یک قطره را پنهان بود در بر محیط

آتش جور فلک میسوخت رونق عالمی

اشکِ بیتابم نگشتی گر به بحر و بر محیط

طرفه زینت میدهد بر گردِ آن رخسار خط
نیست جز وصفِ خطِ او دیده ام بسیار خط

گر ز دردِ دل نویسم من بسوی یار خط
قطره های چشمِ پرخونم کند گلزار خط

شرحِ اندوهِ فراقش مینوشتم اندکی
گر نمیدادی دلِ زارِ مرا آزار خط

از تپشهای دلِ مشتاق حرفی شد رقم
شد ز بیتابی بگردش آه چون پرگار خط

جان بحق تسلیم بر روی عیان باید نمود
سجده کن از طرفِ من قاصد اگر بگذار خط

عرضِ مشتاقان ز بس نشنیده میماند از و
هر طرف افتاده اندر کوچه و بازار خط

با وجودِ دورد مضمونش ز خاطر رفته است
پاره شد شاید بدستِ آن بتِ عیار خط

خامه از سنبل کنم و ز دیدهٔ آهو دوات
مینوشتم باز با آن طرّهٔ طرّار خط

میدهم **رونق** بقاصد باز خطِ بندگی
سالم آرد گر ز دستش سوی من این بار خط

ردیف ظاء

بزمِ بی تو ز صهبای خوشگوار چه حظ
اگر فسرده بود دل ز نوبهار چه حظ

اگر تو بهرِ تماشا بسر نمی آئی
به جانفشانیِ دلهای بیقرار چه حظ

کجا بوصل میسر شود چنین راحت
شبِ فراقِ تو بردم در انتظار چه حظ

تو اول از همه جام شراب را درکش — بزم باده چو ساقی ست هوشیار چه حظ
شگفته شود می از ناز با من شیدا — برد ز دیدن گل این دل فگار چه حظ
کسیکه لخت جگر ریخت قدر آن داند — بمنعمان شود از لعل آبدار چه حظ

تو رفتی از چمن و رونقی بخوبان نیست
چو بست رخت سفر گل ز سیر خار چه حظ

چه ممکن است شود گل ببوستان محظوظ — ندیده ایم ولی زیر آسمان محظوظ
هوای بال و پر افشانیش مدام کشید — که بود بلبل بیدل در آشیان محظوظ
بمحفل تو گرم ره نشد ملالی نیست — ز دور بینیم و باشیم بر آستان محظوظ
ز دیدن رخش آئینه را کدورت هاست — شود ز سیر چمن گرچه باغبان محظوظ
شگفته تر شده رویت بدست مشاطه — که اهل فضل شود وقت امتحان محظوظ
میان نامه عشاق پاره مکتوبم — نمودی دل من گشته زین نشان محظوظ
ولای شبر و شبیر گر بدل داری — ز حادثات نشینی بدو جهان محظوظ
جز امتلای شکم عیش منعمان نبود — با آب و دانه شود طبع این خران محظوظ

پس از حالت رونق بهجر آن گل رو
چه عندلیب شود موسم خزان محظوظ

ردیفِ عین

در سرِ پروانه گر افتد هوسِ دیدارِ شمع
بال و پر سوزد که تا روشن کند گلزارِ شمع

انجمن را نیست تابِ گریه های زارِ شمع
شد گرا ز پنبهٔ داغِ دلِ من تارِ شمع

باد ایمن از دمِ سردِ دلِ پروانه ها
خوش بهاری در نظر دارد گلِ بیخارِ شمع

شوقِ کامل را نباشد هیچ حایل در میان
مانع پروانه کے گردد نگر دیوارِ شمع

در شبِ هجرت چگویم ماجرای درد را
سطری از حالِ دلِ زارم بود طومارِ شمع

از جبینِ راستان احوالِ باطن روشن است
داغِ دل گردد عیان از دیدنِ رخسارِ شمع

نیست قدری خوبرویان را بغیر از عاشقان
از پرِ پروانه باشد گرمیِ بازارِ شمع

نکتهٔ سربسته است از مخزنِ اسرارِ دل
بارها کردم نظر بر مطلعِ انوارِ شمع

شعرِ من از عیبِ پنهان کرد پیدا رونقی
هر دَم افزون است از گلگیر دایم کارِ شمع

مطرب شد از نوای دلِ پرشور در سماع
دارم سری چو کاسهٔ طنبور در سماع

واعظ بجلد هم نکنم ترکِ صوتِ خوش
باشم من از صدای لبِ حور در سماع

صبرِ کلیم چون نشود مطلق العنان
آید چو با هزار زبان طور در سماع

از نغمه نیست زاهدِ افسرده را نشاط
نا ممکن است راحتِ رنجور در سماع

باید ردیفِ کاسهٔ طنبور جامِ می
در گوش پنبه کرده چو مخمور در سماع

وصفت رقم چگونه نمایم که زهره را
آورد صوتِ دلکشت از دور در سماع

رونق ز شوقِ زمزمه دیگر بمن مپرس
خواهم که جا کنم بلبِ گور در سماع

ردیف غین

تا کی شود بهجر دل از انتظار داغ
داریم سینه گروِ صد هزار داغ

گردید شهره آنقدر از فیضِ سوختن
دریوزه میکند ز دلم لاله زار داغ

چون شاخِ لاله که ز نیسان نهال شد
از فیضِ گریه آمده ما را بکار داغ

ازبوزش است زینتِ عشاقِ تیره بخت
چون خالِ دلبران شده ما را نگار داغ

تا رنگِ جلوه یافت ز رخسارِ نیکوان
همچو مسیِ لعلِ بتان شد بهار داغ

وحشی نگاه کیست بدل آشنا مرا
چون دیدهٔ غزال شود بیقرار داغ

افگند تا نگاه بر آئینهٔ رخش
روشن شدست چون گهرِ شاهوار داغ

جز سوختن ثمر نبود اتحاد را
دارد نهالِ عاشقیِ ما ببار داغ

رونق بشمع نیست سر و کارِ من دگر
گردیده از نظارهٔ او تا بدار داغ

نیست اصلا بنظر جلوهٔ گلها در باغ
خون دل ریختیم از حسرت مینا در باغ

باغبان مرده دلان را کند احیا در باغ
لب هر برگ گلی گشته مسیحا در باغ

عندلیبان سوی گل محو تماشا در باغ
من بیاد رخ گلرنگ تو شیدا در باغ

چشم زخم گل خود روی اثرها دارد
مرو ای آفت جان بهر تماشا در باغ

گرد مدهوشی دل سیر چمن افزون تر
شاخ گل میدهدم ساغر صهبا در باغ

هست کافی بچمن ریزش این دیدهٔ تر
ابر نیسان نکنی گریهٔ بیجا در باغ

گر نباشی بچمن نیست فروغی گل را
چشم بینور بود نرگس شهلا در باغ

سیر گلزار سخن طرفه نضارت دارد
عندلیبان پس ازین من بنهم پا در باغ

گل چو ماتم زدگان گریهٔ سرشاری داشت
دوش رفتیم چو رونق بتماشا در باغ

ردیف فاء

گر بچشم مست او گردد دمی ساغر طرف
میرسد سنگ ملامت بر سرش از هر طرف

از ملایم طینتان ایمن مباش ای صاف دل
سینه بشگافد چو گردد رشته با گوهر طرف

غیر خاموشی نه بیند صرفه دیگر بهر خویش
گر بشور نالهٔ ما میشود محشر طرف

روی جمعیت نه بیند دیگر اندر خواب هم
چون شود منعم ز مستی با دل ابتر طرف

آدمی را کی رهائی میشود از شش جهت
ءره کی آید برون گردد چو باشد ره طرف

یافت رنگ او تغیر حیف چون برگ خزان
شد مگر با اشک خونینم می احمر طرف

بی نیازی عالمی دارد تماشا کردنیست
هر گدای میشود اینجا با سکندر طرف

حاجت مجنون بشمعی نیست در شبهای تار
دیدهٔ آهو بصحرا گشته با اختر طرف

نیست جز آئینه رونق عارض گلرنگ را
سادگی خاصیتی دارد تکلف بر طرف

قاتل از رنگ حنا دارد گل احمر بکف
میبرم من هم دل صد پاره در محشر بکف

دامن دشت از پریدنهای رنگم زر بکف
خار پای من بود از آبله گوهر بکف

موج می گردد نمایان از صفای عارضش
تا نگار آتشین خویم بود ساغر بکف

تا شد آن سرشار با آئینه گرم اختلاط
گشت از عکس رخش همچون فلک اختر بکف

تشنه کی مانم بروز حشر چون باشد مرا
ساغر صهبا ز مهر ساقی کوثر بکف

پرده های چشم نرگس فرش پا انداز اوست
شاخ گل پیش خم زلفش بود مجمر بکف

آفتاب از رهنمائی سحر طالع شود
از ته دل دار محکم دامن رهبر بکف

میکنی از کشتن رونق هنوز انکارها
دارم از دامان رنگین تو من محضر بکف

ردیف قاف

کی بآسانی دهم از دست دامانِ فراق
بعد ازین دستِ من و چاکِ گریبانِ فراق

دل پریشان چشم پرخون سینه داغِ انتظار
دوستان دارم فراهم طرفه سامانِ فراق

دید در آئینه روی خویش و رفت از پیشِ من
می نهم بر گردنِ مشاطه تاوانِ فراق

غرقهٔ گرداب این دریاچه دست و پا زند
زانکه میباشد اجل یک موجِ عمّانِ فراق

جوششِ آبِ دیده گر تاراجِ عالم میکند
کشتی دل را بدست آورد طوفانِ فراق

گر فلک نشتر زند در چشم چندان در نیست
هیچکس یارب مباد از دهر حیرانِ فراق

لاله پرخون گل جگر چاک و پریشان سنبل است
هر کرا در باغ دیدم گشته نالانِ فراق

تا قیامت روی مهجوری نه بیند عاشقی
گر رود در گوشِ چرخ این شور و افغانِ فراق

رونق امید وصالش تا کجا دارم بجا
نیست چون چرخِ فلک هیهات پایانِ فراق

بسکه می بیند ز بارانِ بهاری جوشِ خلق
می نشیند سر بجیبِ خویشتن خاموشِ خلق

همچو می از ابرِ نیسان میشود مدهوشِ خلق
از هجومِ رعد دارد پنبه را در گوشِ خلق

از پی کاری اگر بیرون رود از خانه‌ها
میگریزد از درخشِ برق دوشادوشِ خلق

با وجود این ترشح در چمن مست اوفتاد
از نگاهِ ساقیِ ما بسکه شد مینوشِ خلق

اینقدر بارانِ رحمت ز آسمان ریزش نمود
خانهای مردمان در سجدهٔ شکر اوفتاد

چون غریقِ بحرِ می یکسر بود بیهوش خلق
بر زمین سجاده را کی می نهد از دوش خلق

خامه و کاغذ شود از وصفِ بارانِ غرق آب
اضطرابِ طرفه میداشت رونق دوش خلق

ردیف کاف

طبعِ شاداب نمی گردد خشک
جامِ مهتاب نمی گردد خشک

آبِ حیوانِ سخن را دیدم
حرفِ سیراب نمی گردد خشک

چشمِ تر گاه نماند بی آب
عینِ سیماب نمی گردد خشک

قطرهٔ گر چکد از عارضِ او
بادهٔ ناب نمی گردد خشک

آبیاری کند از دیدهٔ زار
هیچ سیلاب نمی گردد خشک

گردشِ چشمِ تو بیند گر اشک
مثلِ گرداب نمی گردد خشک

چه بلائیست سرشکت رونق
دایم این آب نمی گردد خشک

ما و اگزیده اند زبس گلرخان بخاک
ساقی مریز جرعهٔ می رایگان بخاک

پیوسته است چشمِ ترِ عاشقان بخاک
طوفان شود ز خونِ دلِ میکشان بخاک

مجنون ز بیوفائی لیلی بدرِ هجر — از اشکِ خود نگاشته صد داستان بخاک
خواهی که بوسهٔ کفِ پایش بهم رسد — همواره دار فرقِ تو چون آستان بخاک
پاسِ فتاده لازمِ حالِ توانگر است — دارد همیشه دیدهٔ خود آسمان بخاک
خواهم که خویش را به تهِ خاک افگنم — منزل نموده اند ز بس دوستان بخاک
مستِ تغافلی ز مزارم گذر کند — هر نقشِ پا شود جگرِ خونچکان بخاک
بیهوده دل مبند بدنیای بی ثبات — پامال شد سکندر و صاحبقران بخاک

از مهر و ماه پنبه بگوشش افگند فلک
رونق کند بدرد که شور و فغان بخاک

بی سبب هرگز مدان زِ خاک پیچ و تابِ اشک — تا بکویش میبرد آخر مرا سیلابِ اشک
بسکه ریزد از دلِ پر داغِ من سیلابِ اشک — لاله زاری گل کند در کوی او از آبِ اشک
عقدِ مروارید جای یافت اندر گردنش — مفت از کف ریختیم این گوهرِ نایابِ اشک
وقتِ رقت آشنائی وعظ گفتن سود نیست — بردنِ جان سخت دشوار است از عقابِ اشک
صافیِ مشرب بهاری میدهد حسن ترا — سینه‌ام آئینه گردیده ست از سیمابِ اشک
آتشِ دل را اثرها هست اندک غور کن — شد زمین خاکستری از گرمیِ تیزابِ اشک
تا بدورِ حشر کی بر باد رفتی تختِ او — گر سلیمان داشتی یک گوهرِ سیرابِ اشک

شد بکوی او وطن یاران فیض چشم زار
بار منت تا بسر داریم از گرداب اشک

طرفه اعجازیست رونق دیدهٔ خونبار را
ظلمت شب را منور میکند مهتاب اشک

ز دور در نظر آید غبار آتشناک
رسد بعزم شکار آن سوار آتشناک

درین چمن نبود لاله زار آتشناک
سپرده اند دل داغدار آتشناک

هوای شبنم و گل سرد مهری آرد بار
تو گرم خوی و بنگر بهار آتشناک

بروی شعلهٔ جواله دیده دانستم
که بسته اند دل بیقرار آتشناک

اگر بر آئینهٔ دل نه کردهٔ نظری
ترا ز چیست رخ شرمسار آتشناک

شب فراق تو اسباب عیش آزاریست
بدیده شمع بود مثل خار آتشناک

ز سیل دیده بسوز جگر زنم آبی
اگر خرام کنی بر مزار آتشناک

بغیر سیل سرشکی که دارد آتش آه
ندیده ایم دگر آبشار آتشناک

بجز مژه که ثمر دار ریخت دل باشد
بهیچ نخل ندیدیم بار آتشناک

ز گرمجوشی آن سینه و جگر می سوخت
که دوش بود در آغوش یار آتشناک

بوصف نظم تو رونق بس است این دو سه حرف
کلام پر اثر آبدار آتشناک

ردیف کاف فارسی

ایضاً

آمد بقصد عمر بده دیگر بجنگ سنگ
همچون شرر گرفته در آغوش تنگ سنگ

عاشق ز خون دیده چمن کرد خاک را
یابد اگر ز پرتو خورشید رنگ سنگ

بینی همیشه رنج ز پروردگان خویش
دل چاک میشود ز جفای خدنگ سنگ

در حیرت است ظالم از اندوه ناتوان
مجنون وشست بر سر دیوانه دنگ سنگ

از تاب حسن صاف شود هر سیه درون
آئینه شد بدست نگار فرنگ سنگ

سختی کشان هراس نگیرند از جفا
کاری نمی‌کند چو زنی بر پلنگ سنگ

از نرمی طبیعت ما موم آب شد
دارد ز سختی دلت ای شوخ ننگ سنگ

حرص است آنکه رهزن راحت بود به خلق
شد لقمهٔ درشت بکام نهنگ سنگ

رونق ز سنگ دامن او شد مگر تهی
آید ز شوخ بر من شیدا درنگ سنگ

رنگ بقا نداشت بباغ و بهار رنگ
رخسار یار دارد عجب پایدار رنگ

رنگ حنای اوست که شد مایهٔ شرف
زین پیشتر نداشت به عالم وقار رنگ

رنگ لب تو دلکش مردم فتاده است
در باغ دهر گرچه بود بی شمار رنگ

رنگی ز حسن شاهد بیرنگ جلوه کرد
اکنون نظر فریب بود صد هزار رنگ

رنگ نشاط ریخته آمد نگار من
دارم بدست خود زبرای نثار رنگ

رنگ سرشک گر نه محیط جهان شدی
کی یافتی بروی زمین اعتبار رنگ

رنگ تو رونق است بپرواز هر قدر
آید ز باده بر رخ آن گلعذار رنگ

ردیف لام

کی رسد در خوشنمائیها بآن رخسار گل
با رخش نسبت ندارد دیده‌ام بسیار گل

بسکه میسوزد ز رشک دیدهٔ خونبار گل
شعله می آید بچشم ما درین گلزار گل

نور چشم عندلیبان است در گلزار گل
باغبان بیصرفه می آری تو در بازار گل

بیتو رفتم سوی گلشن از پی تسکین دل
در نظر آمد مرا هیهات مثل خار گل

برگ این گلشن به پشت پرده پوش غنچه شد
شاخ از دوش افگند از شرم همچون بار گل

باغبان در بلبلان لاف محبت میزند
لیکن از دم سردی او مینماید عار گل

عندلیبان را ببرگ گل نشاند در چمن
باغبان آرد اگر در پیش آن دلدار گل

عالمی در سیر گلشن بیخود و سینه چاک
بس بود رونق مرا آن چهرهٔ گلنار گل

رفتی تو در هجرت مرا آمد چه سامان در بغل
هر ناله گلشن در بر و هر اشک نیسان در بغل

دارم دل خون گشته زان روی تابان در بغل
چون ابر دارد چشم من یک شعله پنهان در بغل

اندیشه میدارم که آسیبش زسوز دل رسد
گیرد اگر از روی مهرم گاه جانان در بغل

ریزم سرشکی هر کجا باغی نماید دل کشا
گر دیده ام از یاد روی او گلستان در بغل

در باغ دنیا گفتمی آن را گل بیجا رحیف
وصل بتان را گر نبودی درد هجران در بغل

می آید آن آشوب جان از بهر قتل عاشقان
در دست تیغ خونفشان بگرفته دامان در بغل

هر چند دارد بوالهوس تقلید افغان چون جرس
باشد برنگ خاره خس خاکیش پنهان در بغل

بر دل خورد صد نیشتر آتش زند اندر جگر
کی میرسد آن فتنه گر هیهات آسان در بغل

رونق ببین آن ماهرو دیگر نماید جنگ جو
از هر نگاهی چشم او شمشیر عریان در بغل

عبث افتاد مرا فکر هواداری دل
جگرم قطرهٔ اشکی شده از زاری دل

نم اشکی نه پسندید بخود یاری دل
آفرین باد برین وضع سبکباری دل

خوبتر آنکه دل بوالهوسان نگذاری
در کف جای حنا نیست زبیاری دل

صبر و هوش و خرد و عیش بتاراجم داد
چه ستم ها نکشیدم زجفاکاری دل

شده خاکستر آئینه و وصلش دریافت
از نگاه بود فزون این همه پرکاری دل

بر سر حرف میارید من شیدا را
دوستان بسته ام احرام پرستاری دل

بانیِ دهر چو تعمیرِ فلک را میکرد
سنگِ الماس تراشید بمعماریِ دل

رونق بپیر و پارا خبری نیست ازاں
جای رحم ست عزیزاں بگرفتاریِ دل

از عکسِ تست ساغرِ می بدر در بغل
وز کاکلِ تو شیشهٔ شب قدر در بغل

ضبطِ نفس بجاست کز اشعار را بدار
دارد هزار آئینه را صدر در بغل

بر تختِ خسروی نشود بار چشمِ من
تا شد زگردِ راهِ کسی صدر در بغل

زاهد ملاف بیش که چون گنبدِ فلک
عمامهٔ تراست همه غدر در بغل

رونق زفیضِ صدق و صفایم بعشقِ یار
چون گوهرست اشکِ مرا قدر در بغل

در باغ از فراقِ تو چنداں گریستم
پر می زخون دیده نمودم سبوی گل

قدِ نگاهِ من چو خیاباں معطر است
گردید محو چشمِ من از بس بروی گل

از یادِ عارضش چو گلشن گریستم
بالیده شد زدانهٔ اشکم نموی گل

رونق خمارِ آں میِ لعل است در سرم
خوردم بباغ گرچه شراب از سبوی گل

وحشی غزالِ شوخ نشد رام ما هنوز
تا مدتی براه فگندیم دامِ دل

ردیف میم

صیاد دوشش گفت که آزاد می‌کنیم
سر را بپای او زده فریاد می‌کنیم

ناخن بدل چو تیشهٔ فرهاد می‌شود
شیرینی لب تو چو ما یاد می‌کنیم

از گوشهٔ نگاه توان کرد کارِ ما
سر در کف انتظارِ تو جلاد می‌کنیم

یارب بکوی یار رساند مگر نسیم
مشت غبارِ خویش که برباد می‌کنیم

هیهات نارسائی بخت است مانعش
عمریست ناله در رهِ صیاد می‌کنیم

کس نیست تا بوحشتِ مجنون شود انیس
ویرانهٔ عدم ز خود آباد می‌کنیم

رونق هوای بوسهٔ یارست موج زن
دل را بیادِ لعلِ لبش شاد می‌کنیم

نگارم شمعِ محفل بود شب جائیکه من بودم
سراپا رقصِ بسمل بود شب جائیکه من بودم

خوشا بیداری بختی که یابد یار در پیشش
بکف دامانِ قاتل بود شب جائیکه من بودم

نشاطی داشتم در بزم مستانِ میِ عشقش
سرود از حلقِ بسمل بود شب جائیکه من بودم

نمی‌گنجید وهم هستیم در جلوه گاهِ او
دو عالم فردِ باطل بود شب جائیکه من بودم

کمندِ نازِ جانان جذبهٔ پنهانی دارد
مرا زلفش حمایل بود شب جائیکه من بودم

نگردد حسنِ جانان جلوه گر در عرصهٔ امکان
تماشاگاهِ او دل بود شب جائیکه من بودم

زخجلت آب میشد آرزو واندر دلم رونق
سخن بسیار مشکل بود شب جائیکه من بودم

زفکر نیستی دهر دارد چشم تر شبنم
خیال راحت و آسایشی داری اگر شبنم
چو وصل یار خواهی گریۂ مستانۂ سر کن
بہ ہم چشمی من شب تا سحر از درد گریان بود
اگر در مسکن اصلی خود پای قناعت داشت
چو میخواهی سرت دارد دلی زاہد جہان کن
مرو آتش مزاج من بسیر گلستان ہرگز
قدم فہمیدہ باید زد درین گرداب حیرانی
بشبہا گریہ کن گر عفو جرم خویشتن خواہی*

ہمہ تن قطرۂ اشکیست مانند گہر شبنم
ز رنج ہستی موہومۂ خود در گذر شبنم
کہ با خورشید پیوند د نظر کن زین اثر شبنم
چو روی مہر را دیدم نیامد در نظر شبنم
بپاس بی اعتباری نہ گشتی در بدر شبنم
کہ می یابد ز تاثیرش بچشم گل مقر شبنم
چمن مجمر شود گل شعلہ میگردد شرر شبنم
کہ در دریای رقت ہست صد طوفان خطر شبنم
کہ کار رحمت ایزد نماید در سحر شبنم

کسی واقف نشد از گریۂ مستانۂ رونق
ز جوش درد دل میریخت اشکی تا سحر شبنم

*اصل بیاض میں اس کے بعد یہ شعر لکھکر کاٹ دیا گیا ہے۔
بجز غلطان شدن در نوحہ شہرت کی بود ممکن ÷ کہ از افتادگیہا میشود اید ل سمر شبنم

ز در باران

ز دربانانِ آن درگاه صد منت بجان دارم | اجازت گر دهندم تا که سر بر آستان دارم
عروجِ نشئهٔ وصلش تماشا کردنی دارد | که از دیدار او چون شیشهٔ می سرگران دارم
نگاهی نیست هرگز سوی حالِ خسته‌ام او را | نماید خندهٔ سرشار چون پیشش فغان دارم
خصوصیت گر باشد مرا در بزم همچشمان | تغافل هر قدر را افزون کند خاطرنشان دارم

حریفِ فهمِ معنی کیست رونق جز تو در دوران
گزین بحر غزل در شعر طرح امتحان دارم

ترا سر تا بپا چون خوب دیدم | سراپا صورتِ مرغوب دیدم
به بینی همچو من کامل بالفت | بشب‌ها گریهٔ یعقوب دیدم
سراپا خوبی و داری عتابی | همین وضعِ ترا معیوب دیدم
چو مجنون سوزِ عشقی در کسی نیست | بچشمِ خویش بس مجذوب دیدم
هنر را غیرِ ذلت نیست قدری | بطبعِ دهر این اسلوب دیدم
رقیبم دی دوچار رهگذر شد | چو منعم خواست بس مغضوب دیدم

شدم رونق بعشقِ یار کامل
که رنج و محنتِ ایوب دیدم

عجب سوزی ز جوشِ ناله دارم | مرا دل نیست یک بتخانه دارم

ندارم رغبتِ سیرِ گلستان
زداغِ دل بهارِ لاله دارم

بیادِ آتشین روی بهردم
تپش چون شعلهٔ جواله دارم

بدورِ سردمهریهای گردون
سرشکِ سرد همچون ژاله دارم

زسلکِ گوهرِ اشکِ روانی
برای زیورِ او ماله دارم

برنگِ نرگسِ مخمورِ مستش
محبت از می دوساله دارم

ز درد آه خود رونق نظر کن
رخ او را درونِ هاله دارم

ردیف نون

بگلشنی که چو طاوس زار گریه کنم
ز داغهای جگر لاله زار گریه کنم

گره شود چو تباشیر اشک در قلم
اگر بهجرتِ آن نیسوار گریه کنم

بعشقِ شعلهٔ رویش زبسکه لبریزم
بسانِ شیشهٔ آتش شرار گریه کنم

زشوقِ نرگسِ مخمورِ ساقیِ گلفام
برنگِ شیشهٔ خالی خمار گریه کنم

عجب مدار گر از یادِ آن کفِ رنگین
بجای قطرهٔ خونین حنار گریه کنم

بیاد چادرِ زرتارِ آن گلستان رو
زچشمه های دو چشم آبشار گریه کنم

نه بهر دورِ می و جامِ باده میگریم
چو شیشه از پی آن روی ساده میگریم

نه همچو ابر بکوه ایستاده میگریم
بسان چشمه بخاک اوفتاده میگریم

بشوق دیدن آن ماه رو چو آئینه
سری بزانوی حسرت نهاده میگریم

بدرد هجر تو چون سیل آنچنان زارم
که سر بدامن صحرا نهاده میگریم

بهجوم مردم این شهر وا ردم دل تنگ
بکوه و دشت روم دلگشاده میگریم

بدرد جان کنی خود نه آن قدر نالم
شکست شیشهٔ مے راز باده میگریم

بعشق ساده رخی مبتلا شدم رونق
نه بهر مسند زرین و ساده میگریم

یار دلدار قدسیے دارم
طرفه عیار قدسیے دارم

چشم مخمور تو برد آرامم
کهنه بیمار قدسیے دارم

بچه صورت نکشم نالهٔ زار
که دل آزار قدسیے دارم

آن گل روی من و زاهد خلد
که از ان عار قدسیے دارم

سنگ آئینه شود از خویش
من خاکار قدسیے دارم

زلف دل بسته بهر مو گوید
کاین گرفتار قدسیے دارم

کاکل او رگ جان شد رونق

طرفه زنارِ قدسے دارم

زلف گوید که نگاری دارم　　شانه لافد شبِ تاری دارم

چهره دم زد که بهاری دارم　　کاکل آشفت که تاری دارم

بی دماغانه چو راهش گیرم　　گویدم دور که کاری دارم

بار بارم بدل آید هوسے　　خلوتش خالی و باری دارم

عکسِ آن سنبل و نرگس چو فتد　　گوید آئینه بهاری دارم

خار خارم زند این نوکِ مژه　　بسکه در دل ز تو خاری دارم

رونقِ تازه بدل عشقم داد
هوسِ تازه نگاری دارم*

ز چاکِ سینهٔ صبحِ بهار خنده زنم　　ز نهرِ هر مژهٔ بر جویبار خنده زنم

باین حیاتِ تنک مایه گرمِ جولانست　　ز هستیِ عدمش بر شرار خنده زنم

سیاه بختم و از تیرگیِ طالعِ خویش　　بظلمتِ شب و گیسوی یار خنده زنم

بریشِ واعظِ گمره ز چاکِ پیراهن　　بسانِ ذره ز هر تار تار خنده زنم

* مسلسل یہہ تینوں غزلیں تذکرۂ صبحِ وطن سے نقل کیگئی ہین اصل نسخہ میں درج نہیں تہیں ۱۲

*سوی وصلش ای قاصد چو از خود میبرد هم
بغیر از خاکساری از عدم نبود ره آوردم
رسیدی گر در آغوش آن پری یارب چه میکردم*
چو مهر سجدهٔ خاک شفا باشد بسر کردم

چو شاخ زعفران از عکس طالع حیرتی دارم
بجای گریه بار خنده می آرد رخ زردم
ز راه بیخودی گر سوی سروستان گذر افتد
بیاد آن قد و بالا دو بالا می شود دردم

حرفی اگر ز شکوهٔ دلدار سر کنم
از بی ثباتی دل مضطر خبر کنم
آن بلبلم که گر بچمن ناله سر کنم
گلشن تمام غرقه بخون جگر کنم

رونق بدل فتاده چه آتش که دمبدم
از اشکباری مژه کار شرر کنم

چون سوی ابروش نظر کردم
سینهٔ خویش را سپر کردم
رونمائیش را ز قطرهٔ اشک
جیب و دامان پر از گهر کردم

ردیف نون

* یہہ اور اس کے بعد غزل تذکرۂ معدن الجواہر واصف سے نقل کیگئی ہے ۱۲
* یہہ شعر گلزار اعظم مین ملا ۱۲

سوده ام تا بر تراب ساقی کوثر جبین
چشمهٔ آب بقا دارد ز خجلت تر جبین

میکند بدل ضیای و نور بر خورشید و ماه
از سجود آستانش بسکه شد انور جبین

خم شدن از عجز باشد مایهٔ تحصیل اوج
از سجود و خاکساری ها شود برتر جبین

شد گل خورشید غرق بحر خجلت از شفق
تا شد از فوارهٔ مژگان من احمر جبین

اینقدر محو سجود کیستم یارب که شد
جان و دل مثل سراپای تنم یکسر جبین

شاهی ملک سخن آگاه را رونق دهد
می نهد بر درگه او هر سخن پرور جبین

عکس او از خانهٔ آئینه چون آید برون
از رگ جوهر سراپا سیل خون آید برون

گر کنم وصف سیه مستی چشمش در چمن
جا بجای لاله از خجلت نگون آید برون

در امید جلوهٔ رویش ز سیل گریه ام
مصحف تخت دل از بهر شگون آید برون

میکند رقصی خیال او بدل گر ناله ام
از سر عشرت صدای ارغنون آید برون

گر باین مستی نگاهی سوی گلزار افگنی
مثل چشم آهو از نرگس جنون آید برون

گر سری داری بملک خاکساری بالیقین
در رهت از نقش پا صد رهنمون آید برون

بسکه فیضی بردی از آگاه رونق در سخن
هر کسی از عهدهٔ نظم تو چون آید برون

۱۷۰ از کوه

پُر از گوهر شد از فیضِ غمِ دل دامنِ مژگان
ز چشمِ خونفشانم گشته رنگین گلشنِ مژگان

نیندازی ز پا افتادگان را از نظر هرگز
نه دوزد غیرِ تارِ اشکِ کس پیراهنِ مژگان

دهد هشیار را پا لغزِ مستان صدمهٔ آفت
کند با خاک یکسان اشک را لغزیدنِ مژگان

تماشا کردنی دارد حریفان این رسن بازی
که اشکم ترکتازی میکند بر گردنِ مژگان

زمانی چشم بند از دیدنِ دنیا تماشا کن
سیه پوشست عالم از برای شیونِ مژگان

چه پرسی رونق از ناپایداریهای امکانم
که گردد زود برهم از بهم پیوستنِ مژگان

تا کی بفکرِ دردِ مداوا گریستن
لازم بود به دیدهٔ شیدا گریستن

شوید غبارِ سینه به تنها گریستن
طاوس وار رفته بصحرا گریستن

ربطی چو گوهر است مرا با گریستن
هستیِ من چو اشک بود تا گریستن

برحالِ خویش گریه غنیمت توان شمرد
تا چند عندلیب بگلها گریستن

گر گریه داغِ دل برد از سینهٔ حزین
خواهم ز غمزه اش به تمنا گریستن

نظاره محوِ عارضِ گلگونِ یار شد
جایز بود به نرگسِ شهلا گریستن

از چشمِ یار سرمه برون ریخت وقتِ خواب
خالی نرفت در دلِ شبها گریستن

تا کی ز چشم یاوریِ گریه میرسد
همچون سحاب از همه اعضا گریستن

تاچند راز عشق نهان در دلم بود
آهم نمود واضح و رسوا گریستن
زگریه بار منّت واحسان گرفته ایم
وا ر د محبّتی بدل ما گریستن

رونق هجوم در دلم راگرفته است
یا ناوک نگاه بتان یا گریستن

چون مانفت وطن این دل بدخو به بیابان
شد مردمک دیدهٔ آهو به بیابان
زنهار نه بینی گل شبتو به بیابان
آید بنظر سنبل گیسو به بیابان
ویرانه نشیں را نه فتد کار به عالم
یکسو شده از شهر زدم رو به بیابان
کونین شود خاک اگر در غم هجران
از درد دل زار کشم هو به بیابان
تا دیدهٔ اغیار نه بیند رخ عاشق
جان میدهد از خنجر ابرو به بیابان
از گریهٔ زارم خبری نیست کسی را
گردید روان از اثرش جو به بیابان
باگریهٔ عاشق چه کند گریهٔ زاهد
این پیش کشان ناله کند او به بیابان
گل کرد بصحرا اثر گریهٔ مجنون
دل میکشد ام الفت این بو به بیابان

رونق چو سخن برکشد از جودت صائب
یا هو هوا سوزد و آهو به بیابان

ردیف هاے هوز

چکد جای سرشک از چشم من آئینه آئینه
بجای دل بود شاید مرا در سینه آئینه

شدی آئینهٔ مهتاب زنگ آلود در پشت
بکف چون داشتی جانان من دوشینه آئینه

مپرس از صفوت دلهای ارباب فنا ما را
بود در خرقهٔ درویش جای پینه آئینه

مگر آراست روی شاهد فیض اجابت را
نماید سنگ دلها را شب آدینه آئینه

ندارد میل سوی اطلس و زربفت روشندل
بپوشد خلعتی جز خرقهٔ پشمینه آئینه

سیاهی زاده غارتگر صبر است کز حیرت
براندامش شود هیهات چار آئینه آئینه

ز رعنائی پرد گر اینقدر رنگ بتان رونق
شود از زردی رخسارها گنجینه آئینه

دارم بدل ز هجر کسش فصل بهار عقده
وا ماندهٔ جفایم یکدل هزار عقده

مژگان یار افگند در جان زار عقده
هی هی چسان کشایم از نوک خار عقده

از بستگی کارم جان نی رسد بهر دم
سرمایهٔ حیاتم شد چون شرار عقده

حرفی اگر بگویم کی لایق عتاب است
جانان ز کشتهٔ خویش در دل میار عقده

خرسندی است ما را در ناروائی کار
دیوانه را چو گوهر باشد بکار عقده

از تیغ آبدارش امید واشدی بود
پیکان تیرش افگند آخر بکار عقده

وقت شهادت خویش منصور را چنین داشت
حل میشود ز کار رسن بنگر به دار عقده

هرکس بقدر حالش از دوست شاد کام است ‌ ‌ آمد فقط بکارم زان گل عذار عقده

چون زلف حلقه داری بر عارضی وطن کرد
رونق بکار خود زد بی اختیار عقده

از لب رنگین او شد در دلم تبخاله ‌ ‌ میتوان کردن علاجم را ز برگ لاله
ریخت آتش در دل من شعله جواله ‌ ‌ در سراپایم برنگ برق باشد ناله
*روی او دیدم تنم چون حلقه شد از پیچ و تاب ‌ ‌ از پی ماه رخش پیدا نمودم هاله
گفتگوی واعظ بیهوده مشنو زینهار ‌ ‌ عالمی را می فریبد از صدا گوساله
گشت مستغنی ز بار زیور خود آن نگار ‌ ‌ تا بدست آورد از تار سرشکم ماله

حاجت مینا و ساغر نیست رونق زینهار
از نگاهش میکشم هر دم می دو ساله

ردیف یا ر

دارد هوای باده کشی یار اندکی ‌ ‌ پر خون کشید جام دل زار اندکی
سرمست ناز میروی از خاک کشتگان ‌ ‌ دامان خویش را تو نگهدار اندکی

*: اس شعر کے بعد ایک اور شعر لکھکر کاٹ دیا گیا ہے وہ ہے:-
فیض حریانی نمی گنجد بشرح گفتگو ‌ ‌ از شب و روز ست بر اندام من دو شاله

شوخی مکن نسیم بزلفِ نگارِ من
پا را نگاهدار ببالینم ای اجل
هر جاست بی نقاب رخِ شاهدِ ازل
از لغزشت بعالمِ میخانه ها شود

فهمیده نه قدم بشبِ تار اندکی
دارم بخاطر از مژه اش خار اندکی
از چشمِ دل حجاب تو بردار اندکی
پست و بلند راهِ تو هموار اندکی

رونق ز عرضِ حال شود یار بیدماغ
بسر ند پیش او لبِ اظهار اندکی

بخاک تیره یکسان شد ز آهت گلشن ای قمری
مباد از آتشِ آهِ تو سوزد گلشن ای قمری
مگر سروِ ترا باشد خمار سرگرانی ها
مگر از بدو فطرت با قدح نوشی سری داری
اثر خالی نرفت از گریه وافتاد سروت را
ز جوشِ آتشِ دل با سمندر میشوی همرنگ
رهِ عشقست و در هر گام جانِ تازه میخواهم
به فنِ عشقبازی راز دل با کس نباید گفت

اگر رفتی خونبهای بلبلان گردن ای قمری
بصحرا رفته خاطرخواه سرکن شیون ای قمری
برنگِ شیشه می داری تو در پیراهن ای قمری
چرا ساغر نمایان شد ترا بر گردن ای قمری
ز نهرِ آب در پا حلقه های آهن ای قمری
اگر هم طرح در فریاد گردی با من ای قمری
نمی باید شد از خنجر کشیدن ایمن ای قمری
درین ره میشود از سایه پیدا رهزن ای قمری

بسروِ آتشین خوی فتاده کار رونق را

که مثل سرو تو صد را کشد در دامن ای قمری

مستانه خرامی چو بصحن چمن آئی
پیمانه شکن گر بسر انجمن آئی

کی دست دهد اینکه در آغوش من آئی
جان در تنم آید اگر ای سیم تن آئی

کو حوصله و طاقت گفتار و دماغی
گر بر سر لطف و کرم ای دل شکن آئی

رنگ رخ شیرین تو پرواز نماید
فرهاد چو در حشر بخونین کفن آئی

صد قافلهٔ مشک بگرد تو در آید
آهو برمد گر بخطا و ختن آئی

صد دیدهٔ نرگس بقدوم تو سفید است
در باغ زمانی برخ یاسمن آئی

روحی بفراقت همه شب دیده نه بندد
ای کاش بخوابش برخ پر فتن آئی

تا تو زلف دلکش خود را زرافشان کردهٔ
در شب تاری عجب روشن چراغان کردهٔ

مثل آئینه تحیر را چه ارزان کردهٔ
با کمال سادگی یک شهر حیران کردهٔ

والهانت را بجان دادن شده وجد تمام
تا سجاف خون عاشق زیب دامان کردهٔ

پرده از رخ چون کشادی قدرت حق جلوه داد
آشکارا از نقابت راز پنهان کردهٔ

عشق چون کامل شود خالی نگردد از اثر
عندلیب زار گل را چشم گریان کردهٔ

هر سحر روشن کنی در دم چراغ آفتاب
آه آتش بار شمع دلفروزان کردهٔ

رنگ بستی از مسی پای لب خود را بناز — بهر شبخون دل عاشق چه سامان کرده

هر که بیند رونقت از عشق باز آید دلش — شهره در زشتی چرا نام نکویان کرده

شعر را قدری نباشد اندرین عصر نگون

خویش را رونق بنادانی غزلخوان کرده

بکف ساغر چو اندازد بت من سبو دستی — ید بیضا ز خجلت میگذارد پیش رو دستی

بیا در تیغ خونریزش برآرد هر دم از حسرت — چنار آسا برون از تربت من آرزو دستی

بطاق نرگس مستش نمازی چون نوا خواندن — که دستی غرق صهبا بود در آب وضو دستی

پی گلچینی باغ جمال عنبرین موی — چو شانه چاکهای سینه ام شد مو بمو دستی

صفای دست رنگینش مگر شرمنده میدارد — که در خون دل خود میبرد بر جان فرو دستی

شدم مجنون عشقش عاقلان سازید تدبیری — ز مشکین کاکل یارم بیارید زنجیری

برنگ آئینه لبریز حیرت شد سراپایم — مگر امشب بچشم جلوه پیرا گشت تصویری

دلم بر آتش غیرت چو مرغ نیم بریان شد — بفتراک سر زلفت طپیدن داشت نخچیری

حذر کن آسمان از ناوک آه جگر سوزم — که از زلف رسای یار در دل خورده ام تیری

ز پرواز غبار کوچه جانان یقینم شد — که صرف خاک گردیدست اینجا خانه آبادی

بو دار زنگ و چیں از نقش اشکم داغہا در دل | نم چشم بفرشش خاک شد مانی و بہزادی

چو پرویزان کند کوہ فلک را تیشۂ آہم
دل دیوانہ ام **رونق** عجب کردند فرہادی

دل بکوی یار تنہا میروی | بعد ازیں شاید بصحرا میروی
طاقتم طاق ست امروز از فراق | دی شنیدستم کہ فردا میروی
بیخودی از نشۂ و بر دوش غیر | خانہ ات ویراں چہ رسوا میروی
گرم جوشیہای دل داری بیاد | بیوفا از پہلوی ما میروی

تا نظر افگندہ ام سوی کسی | خوش نمی آید مرا روی کسی
جاں کند آسودہ آہ نیم شب | زیں نسیم آید مرا بوی کسی

اینقدر **رونق** چرا ریزی سرشک
الحذر از گرمی خوی کسی

ضمیمۂ غزلیات کہ بعد تنسیخ ایں اوراق دستیاب شد

نوٹ: یہہ اور اسکے بعد کی غزل تذکرہ معدن الجواہر سے نقل کیگئی ہے ۱۲

لہ ملاحظہ ہو غزل صفحہ ۱ یہ اور یہ غزل ایک پرانی بیاض سے دستیاب ہوئی ۱۲

از الف ہاے سینہ چوں ہم بازلہ	گردن افراز کردہ مارا
ای محبت تو در ہوای وفا	توہ چہ شہباز کردہ مارا

رونق از طرحِ آیں غزل بصلا
نقدِ جانباز کردہ مارا

گرچہ جسم ناتوانم آہ شد عار جنوں
لیک میگردد بلند از نالہ ام کار جنوں

چوں شود آشفتگیم زیب دستار جنوں
نیست جز موی سرم در دست یکتار جنوں

غیر خود دیگر نمی یابم خریدار جنوں
از دم سردم چہا گرم ست بازار جنوں

نازہا دیوانگاں دارند از سرداریم
سایۂ دیوار باغم شد سرِ دار جنوں

چوں بزلفِ یار می ماند بدوش جاں کشم
از سر زنجیرای دلبستگاں بار جنوں

شورش دیوانہ گردد بیش در فصل بہار
دورِ حسنِ گلرخاں شد روز بازار جنوں

زلف پیچاپیش نگہ دارد دلِ دیوانہ را
کیست جز زنجیرای آشفتگانِ یار جنوں

گر مرا دیوانہ خود آں پری گوید بناز
از سر جاں میتواں برداشت آزار جنوں

باغ حسنِ گلرخاں را داد رویش آب و تاب
رنگہای تازہ از من یافت گلزار جنوں

قصاید

قصیدہ در منقبت حضرت امام حسین علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام موسوم بہ گہر منقبت

تشبیب

عزیز گشتہ بہ پیشِ بتاں ازاں گوہر | کہ شد مشابہِ اشکِ ستم کشاں گوہر
بحیرتم کہ چنیں شہرہ چیست نیساں را | رساند دیدۂ من تا بآسماں گوہر
دلم چو مایلِ عشقِ بتِ گہر پوش است | زچشمِ خویش نیارم بروں چساں گوہر

* مجھکو رونق مرحوم کے قصاید کی بہت تلاش تہی۔ باوجود جستجو کے کہیں نہیں ملتے تہے گلزار اعظم مین اس قصیدہ کے چند منتخب اشعار دیکہنے میں آئے تہے۔ میں مولوی عبدالواجد صاحب واجد فرزند مولوی عبدالعلی صاحب والہ مرحوم کے تفحص و تلاش کا نہایت ممنون ہوں کہ اونکی عنایت سے سالم و کامل دو قصیدے دستیاب ہوگئے قصیدۂ ہذا والہ مرحوم کی ایک پرانی بیاض میں پایا گیا جسمیں انہوں نے بزمانۂ طالب العلمی مختلف اساتذہ کے اشعار جمع کئے تہے اور دوسرا قصیدہ صاحب موصوف کے کتب خانہ کی ایک قلمی کتاب کے آخر پر لکہا ہوا نظر پڑا۔ جو اتفاق سے طغیانی رود موسیٰ سے

چو آب و تاب سرشکم بہ بیند از شرمش
بخویش تیغ کشد از صدف نہاں گوہر

بسیل گریہ من بیقرار شد کہ کند
ز رشتہ ہا خط زنہار را عیاں گوہر

ز مہر مال بود زندگی زرداراں
بقالب صدف آمد برنگ جاں گوہر

بخانداں خلف نامور دہد شرفی
فزود منزلت و قدر بحر و کاں گوہر

دہد بہ تنگدلاں جا درون جان منعم
کہ یافت در تہ دریا ازاں مکاں گوہر

حصول مال بدنیاست عقدۂ خاطر
ز کار بستۂ خویش ست سرگراں گوہر

گدا ز صحبت منعم ہمیشہ دارد عار
جدا فتادہ ز دریا براے آں گوہر

ز آبرو نہ پسندم بخویش ننگ سوال
بغور بیں کہ زند قفل بر دہاں گوہر

ہمیشہ اہل ہنر در سپاس احسانند
کہ شد بہ پیش صدف سر بر آستاں گوہر

ز دود آہ صفای سرشک من گم شد
کہ بے جلا شود از کثرت دخاں گوہر

مدام کار یتیماں ز غیب گیرد نظم
کہ یافتہ ز صدف طرفہ سائباں گوہر

بقیہ صفحہ ۱۰۴

کی لپٹ سے بچ گئی تھی افسوس ہے کہ اس کتب خانہ کو جسمیں فارسی کتب کا نہایت نایاب ذخیرہ جمع تھا اور جسمیں مدراس کے اہل کمال کی نادر الوجود تصانیف موجود تھیں سیلاب کے ہاتوں ناقابل تلافی نقصان پہنچا ۱۲ جامع دیوان

ز حبّ مال دل اغنیا شود ناسور | ز رخنه بهر همین یافته زیان گوهر
کمال یافته ناچیز از سیه بختان | که کرد ظلمت شب فلس ماهیان گوهر
مدام اهل هنر گوشه گیر می باشند | که منزوی بحصار است جاودان گوهر
بمال عاریتی نازش توانگر چیست | که در خزانهٔ او هست میهمان گوهر
بخامشی هنر صاف دل عیان گردد | ز آب خویش خبر کرد بی زبان گوهر
باهل شرم نگردد خلل ز عریانی | ز موج نور برخ بست طیلسان گوهر
بغیر فرق گهرپوش آن نزاکت بار | ندیده ام که بود زیب کهکشان گوهر

مطلع ثانی

خیال ابروش آرد چو در گمان گوهر | شود چو قبله نمای پیش زاهدان گوهر — تشبیه
سزای خویش ندانسته هیچ جا ز ازل | بگوشوارهٔ او کرد آشیان گوهر
بسیر بحر چو رفت آن نگار زرین پوش | ز عکس او شده همرنگ زعفران گوهر
سرشک ما ز صفای رخش منور شد | بسینه بسته چرا شوخ رایگان گوهر
ز درد هجر بناگوش یار حیران است | بچشم میل کشد همچو سرمه دان گوهر
بهم رسانده زبانی ز رشته میسازد | ستایش دُر دندان او بیان گوهر
لباس گوهر او چون فلک تماشا کرد | روان نمود ز انجم بارمغان گوهر — تناسب

ز لبش

ز سینه صافی جانان صدف کند خبری ‌‌ ‌ ز تنگی دهنش میدهد نشان گوهر

مگر بمحفل خود کرده گهر ریزی ‌ ‌ ‌ که جای اشک برآید ز شمعدان گوهر

بحیرتم بخیال رخ که گریه‌ام ‌ ‌ ‌ که گشت قطرهٔ اشکم عجب گران گوهر

بفکر مدح کدامین گهر فروز امشب ‌ ‌ ‌ ز بحر طبع چنین میشود روان گوهر

دُر شناسی که طبع مرا ضیا بخشید ‌ ‌ ‌ رسانده‌ام ز رقم تا بفرقدان گوهر

بوصف گوهر بحر نبوتم مائل ‌ ‌ ‌ که نقش نقطه شود رشک یکجهان گوهر

امام و قبلهٔ کونین سید الشهدا ‌ ‌ ‌ ز فیض خاک درش یافت عز و شان گوهر

بهار گلشن ایمان ضیای دیدهٔ دین ‌ ‌ ‌ که شد به پیش سخنهاش قطره سان گوهر

فروغ دیدهٔ زهرا سکون جان علی ‌ ‌ ‌ که از محیط رسالت برآمد آن گوهر

حسین صابر مظلوم راضی از تقدیر ‌ ‌ ‌ ز خون دل بغم او شد ارغوان گوهر

ز گرد کویش اگر تحفهٔ برد همراه ‌ ‌ ‌ عجب مکن که شود بار کاروان گوهر

ز نقد فیض کلامش غنی شود عالم ‌ ‌ ‌ که در سخن ز لبش ریخت یکجهان گوهر

اگر ز عارض او پرتوی فتد در بحر ‌ ‌ ‌ شود بچشم سمک خوار و ناتوان گوهر

ز روی خشم به نیسان اگر نگاه کند ‌ ‌ ‌ شود بسینهٔ دریا شرر فشان گوهر

ز جوش مهر بشبنم گشاید ار چشمی ‌ ‌ ‌ ز انفعال نیارد بر دکان گوهر

میسکنم

زروی وعظ اگر جمع مال منع کند | شود ز قطرگی خویش ترجمان گوهر
شهی که بهر ظهور رواج احکامش | بمنعمانِ جهان ست تر زبان گوهر
شمیم خلقش اگر بگذرد بدریا بار | ببر گرفته رسد جزوِ گلستان گوهر
بگیر بیمن نگاهش سعادتی اندوخت | که شد به تخت صدف شاه کامران گوهر
کفِ عطایش اگر مایلِ سخا گردد | غنی طمع کند از دست مفلسان گوهر
بشانِ خیمهٔ او کن نظر که بهر شرف | ز تار موج باو بسته ریسمان گوهر
ز مطلع دگرے میکنم شروع خطاب | که کسب نور تمنا کند بآن گوهر

مطلع ثالث

بفیض مدح تواند وختم چنان گوهر | بگوشوارهٔ طلب کرد حور ازان گوهر
بکارخانهٔ عالم کفِ نوال تو ریخت | بسنگ لعل بدریاے بیکران گوهر
نموده عکسِ جبینِ تو چرخ را روشن | ندیده است کسی اینقدر کلان گوهر
بوصف توسنت اندیشه را کجا طاقت | ز نسبت عرقش میشود روان گوهر
ز جستنش چو به ایما رقم کنم حرفی | چو برق میشود از دیدنش تپان گوهر
سکون و سرعت او دیده سخت حیران شد | بچرخ برق و بدریاے بیکران گوهر
بمدح جوهر تیغت قلم چو مایل شد | بپایش آمده زنجیر از گران گوهر

بخواهد ار کند از اهل حرص قطع امل ⁂ شرار تیغ تو و زبحر بیکران گوهر
ز لعل آب و ز خورشید تاب بر دارد ⁂ بعمر خویش ندیدیم آنچنان گوهر
چنان شرف بود آن روضهٔ مقدس را ⁂ بخاک درگه او نیست هم قران گوهر
برای کسب شرف بر چراغ مشهد ⁂ ز فرط شوق شود مثل تابدان گوهر
توئی که گوهر نامت ضیای کونین است ⁂ گدای کوی تو بخشد بخسروان گوهر
چو هست گوهر مهر تو در خزانهٔ دل ⁂ دگر طلب چه کنم پیش این و آن گوهر

عرض حال

چه عرض دارم از احوال خویشتن شاها ⁂ که از روی دل زار شد همان گوهر
ز دست جور فلک سخت زار و نالانم ⁂ کند بدیدن آن اشک را روان گوهر
گشاد کار ندیدم بدور این بیرحم ⁂ چه سنگ ها زند آرم چو بر زبان گوهر
بر آید از فلک سفله کام کم ظرفان ⁂ گرفته است بکف گنج شایگان گوهر
ز اشک خویش بیادت دلم امان یابد ⁂ بغیر آب ندارد نگاهبان گوهر
ز مهر خویش به من بخش گوهر ایمان ⁂ بگرد او نشود گاه همعنان گوهر
ز فیض مدح تو طبعم چنان ضیا اندوخت ⁂ که جای حرف در آمد بداستان گوهر
ز شعر من گهر شب چراغ شد روشن ⁂ ندیده است چنین چشم ماهران گوهر
قصیده با گهر منقبت شود موسوم ⁂ که تا نثار نمایند انس و جان گوهر

سخن کند بدعائیهٔ مختصر رونق | گرفته قدر ز تو اسے خدایگان گوهر
همیشه تا شود از پرتو تجلی غیب | بسنگ لعل و بدریا کند مکان گوهر
نثار روضهٔ پر نور تو شود هر دم | بجوش درد دل از چشم زایران گوهر

قصیده مسمی به وصف جشن عظیم که بتهنیت بسمله خوانی نواب عظیم جاه گفته

عروس طالع ایام جلوه آرا شد | که در حدیقهٔ گیتی گل طرب وا شد
بهر طرف که نظر رفت طرفه سرسبزی است | چو گلزمین سخن شهر و دشت خضرا شد
صفاپذیر چنان گشته است روی زمین | که سطح کوه چو آئینهٔ مصفا شد
مگر سحاب درین فصل رنگ می بارد | که پیرهن به تن اهل زهد حمرا شد
تمام خلق جهان چون افق شفق پوش است | لباس سرخ بآغوش پیر و برنا شد
ز رنگ عیش چنان جام دل بود لبریز | که جوش خندهٔ عشرت برنگ صهبا شد
تمام اهل سخن گرم شعرخوانیها | ز سرد مهری دوران اگرچه یغما شد
سه پاس روز پی سیر چون برون رفتم | برهگذار دو چارم یکی اهل معنی شد
درون ز فکر سخن دیدمش پریشان جمع | عجب بطبع من خسته حال پیدا شد
باو سوال چو کردم ز وجه این تشویش | بطنز گفت شناسم که عقلت از جا شد

اشک

همونز

هنوز بیخبر افتاده بکلبهٔ خویش | ز جشنِ مکتبِ نواب شور و غوغا شد
بفکرِ قطعه و رباعی غزل قصیده در آ | اگر هوای سخن در سرت مهیا شد
چو این نوید بگوش دلم رسید بوجد | دماغ شاعریم نیز خامه فرسا شد
بوصفِ جشنِ عظیمی غزل سرا گشتم | که قفل کار فرو بسته راست این وا شد

مطلع ثانی

چه شور عیش در آفاق باز پیدا شد | که ساز و برگ جهانی از آن مهیا شد
دمیکه خسرو انجم نظر برحمت داشت | سعادتی ازلی را چو جوش دریا شد
خیال زینت و ترتیبِ بزم عالی شان | بجشنِ مکتبِ نواب شاهِ ما را شد
چه شاه آنکه عظیم ست نام با جاهش | کمینه چاکرِ درگاهِ او چو دارا شد
سکندر ست و فریدون و پیشکارانش | در آن زمانه که جمشید جام پیرا شد
غرض معاینهٔ بزم خاصِ دلکش داشت | که شاهِ کشورِ ایران باین تمنا شد
هزار مایدهٔ فیض عالمی گستر د | که سیر چشم طمع هم ز مالِ دنیا شد
ز وصفِ فیض و نوالش زبان شود قاصر | بمدحِ حشمتِ او خامه عجز فرسا شد
هزار خلعتِ زرین و جامهٔ اطلس | بصبح و شام بدوش کهار برپا شد
هزار خوان پر از الوانِ نعمتِ دوران | بهر محله و کو عشرتِ نظرها شد

زجامهای گران قیمتی که در این جشن — عطای مردم سرکار فیض پیرا شد
محاسب خرد دست از شمار آن عاجز — دبیر عقل در اظهار آن باخفا شد
بروز بسمله خوانی خسرو آفاق — بنامه‌ها که به تقسیم طفل و برنا شد
دهان پیر فلک شد حلاوت آلوده — بهای گوهر انجم بنیم عسر قها شد
بصد کمال فصاحت چو خواند بسم الله — صدای نوبت و نقاره تا ثریا شد
نوای تهنیت از جان قدسیان برخاست — ندای احسن و آمین ببزم اعلی شد
بزیر سایهٔ والای عم و جدهٔ خویش — رسد بعمر طبیعی که بس مهنا شد
زفرط روشنی و زیب و زینت محفل — گهر فروز حریم دلم چو هر جا شد
هزار سرو بلورین نظر فریبی کرد — به پیش تخت شهی هر که گام پیما شد
قطار فرش قنادیل هر دو جانب دید — بکمال حزم در آن بارگه موشی شد
برنگبازی و آتش فروزی اقسام — چه عیشها که بحضار بزم والا شد
بدست پیر و جوان بود رنگ افشانی — درون خیمه که در صحن خانه برپا شد
چو یافتند اجازت برنگ بازیها — برنگ معنی رنگین بدن سراپا شد
به بزم تهنیتش صف کشند رقاصان — کدام نوشه دولت جلوس فرما شد
سماع زهره جبینان زبسکه رفته بچرخ — هزار ولوله در خاطر مسیحا شد

زجوش رقص که تا هفته شور عشرت داشت / بطبع پیر و جوان لذّتی مهیّا شد

ادا کرشمهٔ رقاصگانِ خوش پیکر / خلاعِ فاخره در بر چه قدر افزا شد

یکی بناز و ادا دل ربودی از محفل / یکی بنغمهٔ شیرین حلاوت آرا شد

بهر مقام میسّر بخاص و عام طرب / زبانِ عطر و گلُ و قهوه توده هر جا شد

بعرضِ حال کنم مطلعِ دگر انشا / کمالِ قدرِ حضور رسش چو آشکارا شد

مطلع ثالث

شها دمیکه نوالِ تو گنج پیرا شد / کفِ عطای تو دیدم که رشکِ دریا شد

چو یافت طالع دوران قرانِ بهبودی / ز رحمتِ ازلی چون تو کار فرما شد

هنرشناس ترحم اساس و نیک قیاس / سپاس لطف تو افزون ز حصر و املا شد

بهر کمال دهی داد قدر دانیها / علی الخصوص سخن را که از تو هر جا شد

ترا چو هست خدا داد طبع موزونی / که بی تامّل و دقت بنظم و انشا شد

بعید نیست ز تو قدر شعر ذی رتبه / که مستحق در گوش زهره سیما شد

بسمع شهرهٔ این فیض و قدر دانیها / بر آستانِ تو رونق ز بهر مجرا شد

بساط بوس حضورت چو گشت از خوبی / نحوستِ زحل از طالعش محلّا شد

بفنِ نظم نموده ست گرچه عمری صرف / ز دست جور فلک جمله محو و منسی شد

ز چند سال گرفتار بیمعاشیهاست | محقّرِ نظرِ احقر با اجا شد
ز عهدِ شاهِ شهادت پناه استحقاق | درین ریاست فیاض والدش را شد
قدامتش متحقق ز چار پشت ولیک | بکم نصیبی دور از حضور والا شد
بفیضِ صحبتِ جدِ تو گشته چون ممتاز | همیشه محشر ز کار و بار ادنی شد
چو بی صله نشد از درگهت سخن سنجی | بر آستانهٔ تو عرض بنده برجا شد
بصد ادب کنم از آرزوی خویش رقم | ز عمرها بسرم این خیال پیدا شد
باوستادی شهزاده سرفرازم کن | که در ضمیرِ منِ خسته این تمنا شد
بفارسی سخن نظم و نثر دادم بهر | گهر شناس خریدار عمده کالا شد
ز قدر و رتبه و آدابِ صحبتِ امرا | مرا سلیقه ز فیضِ حضور اعلیٰ شد
شد این مراد تو رونق قبول درگاهش | کف دعای تو پر دُر ز آرزوها شد
همیشه تا چمنِ دهر از سحابِ کرم | بباغبانی دستت که بس مطرا شد
خجسته ماند و گیتی شود ثنا خوانت | دعای بندهٔ درگاه این مؤدّی شد
که باد ظلِ تو پاینده بر مفارقِ خلق | توئی که آهن و روی از کفت مطلا شد
شد این قصیده مسمیٰ بوصفِ جشنِ عظیم | هزار شور و شغب زان بسطحِ غبرا شد

تمت بالخیر

کتب خانہ

جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس تعلیمات، مجلس انتظامی
مجالس شعبہ جات و نصاب پانچ کتابیں ایک ماہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکینگے۔
۲۔ اساتذہ جامعہ عثمانیہ و کلیات جامعہ دس کتابیں ایک ماہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکینگے۔ اور اراکین دار الترجمہ
و تحقیقاتی جماعتوں کے
اور اراکین دار الترجمہ رجسٹر شدہ دو کتابیں ایک ماہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکینگے۔
۳۔ طلبا ایم اے، ایل ایل بی و ... اپنے پاس رکھ سکینگے۔ اور طلبہ بحساب
کے طلبہ تین کتابیں دو ہفتہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکینگے۔
طلبہ پانچ کتابیں واپس لیا جائیگا۔
۴۔ مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ ... ایک آنہ یومیہ فی کتاب جرمانہ لیا جائیگا۔
۵۔ بشرط موقع کتابیں پھر جاری کی جا سکینگی مگر اس غرض کے لئے کتاب کا لانا لازم ہے۔
۶۔ کتب خانہ میں کتابیں گم یا خراب ہو جائیں تو مستعیر پر ذمہ داری
عائد ہوگی۔
۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان بنانا یا ... دیکھا جائے۔
۸۔ قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں
جاری نہ کی جا سکینگی۔ فقط